

# مشترکہ خاندانی نظام اور شرعی حجاب

مشترکہ خاندانی نظام کے اقتصادی فوائد  
مشترکہ خاندانی نظام اور اسلامی تعلیمات  
اسلامی تعلیمات اور اجتماعیت  
اسلام اور اجتماعیت کے نوہ ساختہ دائرے  
اجتماعیت اور خاندانی نظام  
خاندانی نظام اور خاندانی بنیادی شرائط

Ketabton.com

تصنیف

(مولانا) نور محمد خطیب مرکزی جامع مسجد وانا بہتم دارالعلوم وزیرستان وانا

ترتیب: ۱۔ تاج محمد حقانی فاضل دارالعلوم حقانیہ کوڑہ خشک

دارالعلوم مرکزی جامع مسجد وانا جنوبی وزیرستان



# مشترکہ خاندانی نظام اور شرعی حجاب

مشترکہ خاندانی نظام کے اقتصادی فوائد  
مشترکہ خاندانی نظام اور اسلامی تعلیمات  
اسلامی تعلیمات اور اجتماعیت  
اسلام اور اجتماعیت کے خود ساختہ دائرے  
اجتماعیت اور دیگر غیر  
خاندانی نظام اور چند بنیادی شرائط

تصنیف

(مولانا) نور محمد خطیب مرکزی جامع مسجد وانا بہتم دارالعلوم وزیرستان وانا  
ترتیب:۔ تاج محمد حقانی فاضل دارالعلوم حقانیہ کوڑہ خشک

دارالعلوم مرکزی جامع مسجد وانا جنوبی وزیرستان

## جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب----- مشترکہ خاندانی نظام اور شرعی حجاب  
مصنف----- مولانا نور محمد مدظلہ ایم۔ این۔ اے، خطیب مرکزی جامع  
مسجد وانا و مہتمم دارالعلوم وزیرستان وانا  
ناشر----- دارالعلوم مرکزی جامع مسجد وانا جنوبی وزیرستان  
کمپوزنگ----- حافظ عبد القیوم جامعہ دارالعلوم وانا، جدید کتاب گھر  
اینڈ دارالکتابت وانا بازار

پر نثر----- حسن  
مطبع-----  
قیمت-----  
تعداد----- ۱۱۰۰  
سن طباعت----- مارچ ۱۹۹۸

ملنے کا پتہ

دارالعلوم مرکزی جامع مسجد

وانا جنوبی وزیرستان براستہ ڈیرہ اسماعیل خان

جدید کتاب خانہ حاجی بخت عالم مارکیٹ وانا بازار

ساجد بک ڈپو اینڈ سپورٹس المہیب مارکیٹ وانا بازار

المدینہ بک سیلرز وانا بازار

مکتبہ قاسمیہ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

۳	۱	استفتاء۔
۶	۲	جواب۔
۷	۳	تمہید۔
۱۱	۴	اصل اول علت پر مبنی حکم میں حکم کا مدار اور منشا علت ہوتی ہے۔
۹	۵	بنیادی علتوں کی چند مثالیں۔
۱۱	۶	تصویر کی مثال۔
۱۲	۷	حرمت شراب کی مثال۔
۱۴	۸	قتل کلاب کی مثال۔
۱۷	۹	پردہ کلی یا جزوی طور پر کہاں کہاں غیر ضروری ہے۔
۱۹	۱۰	اصل دوم ضرورت کے وقت حکم میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔
۲۰	۱۱	عموم البلوی۔
۲۱	۱۲	شریعت کے وہ نصوص جن سے مذکورہ اصول اور قواعد اخذ کئے گئے ہیں۔
۲۵	۱۳	رخصت کا مفہوم۔
۳۸	۱۴	مندرجہ بالا قواعد سے پردے کے مسائل کی وضاحت۔
۳۹	۱۵	اجنبی مرد کا کسی کے گھر میں داخل ہوتے وقت قرآنی ہدایت۔
۴۰	۱۶	اجنبی مرد کا کسی گھر میں بار بار داخل ہونے کی ضرورت ہو تو کیا حکم ہے؟



۴۸	۱۷	ایک ضروری وضاحت۔
۵۲	۱۸	حاصل بحث۔
۵۴	۱۹	غلام یا لونڈیاں کون ہوتی ہیں؟
۵۵	۲۰	غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق پردے میں تخفیف کی علت۔
۵۱	۲۱	آیت استیذان کی تشریح۔
۶۳	۲۲	بلی کا گوشت نجس ہے۔
۶۵	۲۳	لونڈی کا شرعی پردہ۔
۶۶	۲۴	کسی مرد کے لئے جائز نہیں کہ اپنی بیوی اور اپنی لونڈی کے سوا کسی دوسری عورت کو شہوت کی نگاہ سے دیکھے۔
۷۱	۲۵	کسی آزاد مرد اور عورت کا غلاموں اور لونڈیوں کی طرح کسی گھر میں بار بار داخلہ شریعت کی نگاہ میں۔
۷۷	۲۶	مشترکہ خاندانی نظام میں حجاب کے مسئلے کے متعلق اصل سوال کا جواب۔
۸۳	۲۷	قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے دقیق تحقیق کا خلاصہ دوبارہ ملاحظہ ہو۔
۸۴	۲۸	گذشتہ تفصیلی بحث و تحقیق سے ثابت شدہ امور اور احکامات کا خلاصہ۔
	۲۹	حاصل بحث۔
	۳۰	حجاب کے مسئلے میں چند عام بے احتیاطیاں۔



۸۶	مشترکہ خاندانی نظام کے فوائد۔	۳۱
//	لفظ ”انسان“ کا لغوی معنی اور مفہوم۔	۳۲
۹۱	حضور علیہ السلام کے ایک تمثیلی تعلیم میں مسلمانوں کے تمام مشکلات کا حل۔	۳۳
۹۵	آج امت مسلمہ ہر میدان میں میں کیوں بے کسی کی تصویر بنا کھڑا ہے؟	۳۴
۹۶	اسلام اور اسلامی تعلیمات نام ہی اجتماعی مقصد یا اجتماعی عمل کا ہے۔	۳۵
۹۷	قرآن کریم نسبی اور اسلامی اتحاد پر زور دیتا ہے۔	۳۶
۹۸	خاندانی اور اسلامی وحدت۔	۳۷
۱۰۰	مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت کے خود ساختہ دائرے۔	۳۸
۱۰۲	خاندانی وحدت کا حشر۔	۳۹
۱۰۳	اسلامی تعلیمات غیروں نے اپنا کر بام عروج پر جا پہنچے۔	۴۰
۱۰۶	مشترکہ خاندانی نظام کی ترقی اور بقاء کے لئے چند بنیادی شرائط۔	۴۱
۱۰۷	امیر کے فرائض۔	۴۲
۱۰۸	مذکورہ تمام دفعات کا شرعی ماخذ یعنی بنیاد۔	۴۳
//	مشترکہ خاندانی نظام کے لئے چند تباہ کن باتیں۔	۴۴
۱۱۲	اجتماعی خاندان کے تحفظ کے لئے بعض مفید اقدامات۔	۴۵



## استفتاء

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء شرع متین حسب ذیل مسئلہ کے بارے میں؟

کہ قبائلی عوام خصوصاً آہالیان وزیرستان جو قدیم زمانے سے رہائشی طور طریقوں اور بود و باش میں مشترکہ خاندانی نظام پر عمل پیرا ہیں خانہ بدوش ہونے کی صورت میں اجتماعی شکل میں بھائیوں، چچاؤں اور بھتیجیوں کے گھرانے نقل مکانی کرتے رہتے ہیں ان کے خیمے الگ الگ ہوتے ہیں لیکن وہ مل جل کر رہتے ہیں اور اکٹھے ہو کر سفر کرتے رہتے ہیں۔ موجودہ دور میں بیشتر لوگوں نے مستقل طور پر دیہاتوں میں رہائش اختیار کر لی ہے وہ اس شکل میں کہ ایک بڑے قلعہ نما مکان میں حاروں طرف کمرے بنائے جاتے ہیں تمام بھائیوں، چچاؤں اور بھتیجیوں کے سرے الگ الگ ہوتے ہیں تاہم سب کا صحن ایک ہوتا ہے مکان کا بڑا دروازہ بھی ایک ہوتا ہے اور ملکیت، خورد و نوش اور کام کاج پورے خاندان کا مشترک ہوتا ہے البتہ سونے کا کمرہ ہر ایک کا الگ الگ ہوتا ہے۔

یہ خاندانی نظام قبائلی معاشرے میں اسلئے جڑ پکڑ گئی ہے کہ قبائل میں جان و مال اور آبرو کی حفاظت کا ہر ایک خود ذمہ دار ہوتا ہے پولیس کے انتظامات نہیں ہوتے۔ اس بنا پر اجتماعی رہائش گاہوں پر رات کے



اندھیرے میں کوئی ڈاکہ ڈالنے اور حملہ کرنے کی جرات نہیں کر سکتا جبکہ انفرادی طور پر رہنے والوں پر رات کے اندھیرے میں ڈاکہ ڈالنے کے کئی واقعات ماضی قریب میں بھی پیش آچکے ہیں جس میں چھوٹے بچوں اور عورتوں تک کو قتل کر کے سب کچھ لوٹ لیا گیا یہ محض اس لئے ہوا کہ گھر میں موجود ایک مرد سفر پر جاچکا تھا اور دوسرا کوئی مدافعت کرنے والا تھا نہیں۔

نیز قبائل میں غربت اور رسم و رواج کے پیش نظر گھروں میں نوکرانیاں بھی نہیں رکھی جاتیں اسلئے گھر کے تمام کام کاج یہاں تک کہ گھاس چارہ اور پانی لانا بھی عورتوں کی ذمہ داریوں میں داخل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں قبائلی علاقوں میں غربت و افلاس کے پیش نظر چند بھائیوں میں سے بعض تلاش رزق حلال کے لئے بیرون ملک محنت اور مزدوری کرتے رہتے ہیں اور بعض گھر پر تمام مشترکہ گھریلو ذمہ داریاں نبھاتے ہیں اور پورے خاندان کے جان و مال اور چادر اور چار دیواری کی حفاظت کیلئے کمر بستہ رہتے ہیں سب کا نفع و نقصان اور آمد و خرچ مشترک ہوتا ہے جس کی بنیادی ستون بیرونی ممالک سے حاصل کردہ دولت ہوتی ہے یہ بات تجربے سے ثابت ہے کہ مشترکہ خاندانی نظام کے بغیر ایسا کرنا کم از کم قبائلی معاشرہ میں حفاظتی نقطہ نگاہ سے ناممکن ہے۔



اب سوال یہ ہے کہ اس مشترکہ خاندانی نظام میں شرعی حدود کا پاس رکھتے ہوئے مسئلہ حجاب کو کس طرح حل کیا جائے؟ آج کل اس مسئلہ کی حل نے اس لئے بھی اہمیت اختیار کر لی ہے کہ ایک طرف زاہدان خشتک اور بے علم متصوفین اس بارے میں غیر ضروری بلکہ ناقابل عمل تشدد آمیز رویہ اپناتے ہیں اور مذکورہ مشترکہ خاندانی نظام کے اندر بود و باش اختیار کرنے والے نیک اور صالح مسلمانوں کو زیر لب بے حجابی کا طعنہ بھی دیتے ہیں اور دوسری طرف عام لوگوں میں حجاب کا مسئلہ عموماً کوئی مسئلہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔

اس لئے گزارش ہے کہ مذکورہ رسم و رواج کو مد نظر رکھتے ہوئے مسئلہ حجاب نسواں پر مدلل اور مفصل روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں ساتھ ہی اگر اس نظام کے اقتصادی اور معاشی پہلوں پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی جائے تو عوام کی بہتر طور پر راہنمائی کی جاسکے گی و اجرکم علی اللہ۔

## جواب

اگرچہ قدیم زمانہ سے تاحال مسئلہ حجاب نسواں پر مختلف زاویہ نگاہ سے علماء کرام نے سیر حاصل مقالے لکھے ہیں اور تالیفات کی ہیں تاہم مسئلہ حجاب کا مخصوص پہلو جو سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے شاید

کسی عالم دین نے اس بارے میں تفصیلی قلم نہیں اٹھایا ہے اس لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنی دانست کی مطابق اس مسئلہ پر مفصل بحث کی جائے۔

## تمہید

اصل مسئلہ کے بیان کرنے سے پہلے دو ایسے اصولوں کا جاننا ضروری ہے جن پر مختلف شرعی مسائل اور احکامات کا دار و مدار ہے اور یہ اصول ان احکامات کے لئے اساس اور بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں۔

اصل اول: علت پر مبنی حکم میں حکم کا مدار  
اور نشا علت ہوتی ہے

(مدار الحکم المعلول بالعلۃ علة)

(مجلۃ الاحکام)

یعنی شریعت کا جو حکم کسی علت پر مبنی ہو اس علت اور وجہ کو اس حکم کے لئے مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اگر وہ علت اور وجہ موجود ہے تو حکم موجود ہوگا اور اگر کہیں وہ علت اور وجہ موجود نہیں تو وہ حکم بھی نہ ہوگا اور جہاں علت اور وجہ کی موجودگی میں شدت یا تخفیف ہوگی تو



حکم میں بھی شدت اور تخفیف کی وہی تبدیلی ہوتی رہے گی۔  
 اس قاعدہ کی تفصیل سمجھنے کے لئے مناسب ہوگا کہ اپنی طرف  
 سے کچھ کہنے کی بجائے علامہ قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دار  
 العلوم دیوبند کے ایک تحریر کا مفصل اور مکمل اقتباس ہدیہ ناظرین  
 کروں۔

قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اپنی تالیف ”شرعی پردہ“ میں لکھتے ہیں۔  
 ”مسئلہ حجاب اور اس کے مالہ و ماعلیہ کو سامنے لانے سے پیشتر یہ  
 اصولی حقیقت سمجھ لینی ضروری ہے کہ عموماً تمام انواع احکام اور خصوصاً  
 معاشرتی احکام میں ہر شرعی حکم کے نیچے اس کی کوئی بنیادی علت ضرور  
 ہوتی ہے جو اس حکم کا منشاء اور مدار ہوتی ہے اور اس علت کی بنا پر وہ  
 حکم شارع حقیقی کی طرف سے وضع کیا جاتا ہے خواہ علت نص و آیت و  
 روایت کے الفاظ میں موجود ہو جسے ہر کس و ناکس دیکھ سکے یا معنی میں  
 لپٹی ہو جس تک مجتہد اور راسخین فی العلم ہی کی نگاہ پہنچ سکتی ہو  
 اور وہی اسے اندر سے نکال کر باہر نمایاں کر سکتے ہوں بہر صورت حکم  
 میں کسی نہ کسی علت کا ہونا ضروری ہے جو مدار حکم ہی نہیں ہوتی بلکہ  
 حکم کی یہ صورت اسی مخفی اور بنیادی علت کے حصول کی ایک تدبیر ہوتی  
 ہے اگر مثبت حکم ہے جسے امر کہتے ہیں تو اس کے ذریعہ اس علت کا  
 استحکام ملحوظ ہوتا ہے اور اگر منفی حکم ہے جسے نہی کہتے ہیں تو اس مخفی

علت کا دفعیہ پیش نظر ہوتا ہے پس یہ حکم اپنی متعلقہ علت کے حصول یا دفعیہ کی ایک تدبیر ہوتی ہے جس کا مقصود اصلی رد یا اثبات" یہی علت ہوتی ہے خود حکم بذاتہ مقصود نہیں ہوتا اندریں صورت علت مرتفع ہو جانے پر حکم بھی مرتفع ہو جاتا ہے اور اس میں ضعف پیدا ہو جانے پر حکم میں شدت باقی نہیں رہتی۔

## بنیادی علتوں کی چند مثالیں

تصویر کی مثال : مثلاً ممنوعات شرعیہ کے سلسلہ میں تصویر کی ممانعت ایک حکم شرعی ہے جس کی بنیادی علت صورت پرستی اور حقیقت بیزاری کا انسداد ہے جس کا دوسرا نام شرک ہے اسی سے بچنے کے لئے تصویر کی ممانعت کی گئی ہے کیونکہ تصویر ہی تاریخی طور پر ہمیشہ شرک و بت پرستی اور حقیقت بیزاری کی بنیاد ثابت ہوئی ہے قوم نوح علیہ السلام عملاً اس میں مبتلا تھی تو اس کے مٹانے کے لئے نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے قوم ابراہیم علیہ السلام بت گر اور بت پرست تھی تو ابراہیم علیہ السلام بت شکن بن کر آئے قوم موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے ہجرت کرتے ہوئے صنعا میں ایک مورتی کی پوجا دیکھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کیلئے بھی ایسے ہی معبود بنا دئے جائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سختی سے کہہ کر جھڑکا



کہ۔

انکم قوم تجہلون ☆

ترجمہ: تم جاہلانہ باتیں کرتے ہو۔

بہر حال تصویر کی ممانعت در حقیقت انسداد شرک کے لئے تھی جہاں اور جس قوم میں بھی اس کے جراثیم پائے گئے ان روحانی اطباء یعنی انبیاء علیہم السلام نے ان کا علاج کیا شریعت اسلام چونکہ جامع، مکمل اور ابدی شریعت تھی اس لئے اس نے وقوع شرک کا انتظار کئے بغیر اسباب شرک اور احتمال شرک پر انسدادی احکام جاری کئے اور تصویر کی ممانعت بلکہ استیصال میں بعید احتمال کو بھی سامنے رکھا مگر علت ممانعت وہی شرک اور اس کا انسداد رہا پس ممانعت تصویر در حقیقت علت شرک کے دفعیہ کی ایک تدبیر ہے بذاتہ مقصود نہیں اور نہ ہی تصویر بذاتہ قبیح ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں شرک کا کوئی واہمہ اور امکان نہ ہو وہاں یہ حکم ممانعت بھی پاتی نہ رہے گا عالم برزخ میں ملائکہ علیہم السلام میت سے سوال و جواب کرتے وقت بتصریح شراح حدیث نبی کریم ﷺ کی تصویر دکھلا کر سوال کریں گے۔

من ہذا الرجل؟ ترجمہ: یہ شخص کون ہے؟  
ظاہر ہے کہ ملائکہ علیہم السلام تو شرک کے واہمہ تک سے بری

ہیں اور میت کے حق میں بھی وہاں شرک کا کوئی امکان نہیں تو چونکہ وہاں ہر دو فریق کو وحدانیت حق کا مشاہدہ حاصل ہو چکا ہے اس لئے تصویر کی ممانعت بھی باقی نہ رہی نیز بنص حدیث جنت کے بازاروں میں تصویریں بھی فروخت ہوں گی جن کی قیمت ذکر اللہ ہوگی ظاہر ہے کہ سارے اہل جنت ارباب کشف و شہود ہوں گے جن میں شرک کا تخیل بھی ناممکن ہوگا اس لئے وہاں ممانعت تصویر کا حکم بھی باقی نہ رہے گا۔

ورنہ جو چیز قبیح بذاتہ ہوتی ہے وہ جیسے دنیا میں حرام ہے جنت میں بھی حرام ہوگی زنا نہ یہاں جائز نہ آخرت میں، جھوٹ اور دنگا فساد کی نہ اس دنیا میں اجازت ہے اور نہ اخروی زندگی میں۔ فرق یہ ہے کہ یہاں ان باتوں سے بتکلف اور بزور عقل و ہمت بچا جا سکتا ہے اور وہاں طبعی طور پر ان امور سے نفرت ہوگی بلکہ ان کا مادہ ہی دلوں میں سے ختم کر دیا جائے گا اگر تصویر بذاتہ قبیح اور منکر ہوتی تو دنیا کی طرح جنت میں بھی اس کے وجود کو برداشت نہ کیا جاتا اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ صرف رذیلہ شرک سے بچانے کی ایک تدبیر ہے جہاں اس رذیلہ کا وجود ہی نہ ہو جیسے عالم برزخ اور عالم آخرت تو اس تدبیر کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔

خود شریعت اسلام نے شرک کے ریشے کو ختم کرنے کے لئے



تصویر کی شدت سے ممانعت کی ہے مگر علت ممانعت وہی احتمال شرک قرار دیا ہے اس لئے دنیا میں بھی جہاں جہاں شرک کا احتمال نہیں وہاں یہ حکم ممانعت بھی نہیں غیر ذی روح جیسے مکان، درخت، دریا، پہاڑ و غیرہ کی تصویر عادتاً شرک آموزی کے اثرات سے خالی ہے تو اس کی ممانعت بھی نہیں پھر ذی روح افراد میں اگر سرکئی تصویر ہو یا اتنا حصہ کٹا ہوا ہو جس کے کٹ جانے سے بحالت زندگی زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو اس کی ممانعت بھی باقی نہیں رہتی کیونکہ مقطوع الرأس یعنی سرکئی تصویر کی پوجا نہیں کی جاتی یا پورے جسم ہی کی تصویر ہو مگر چہرے پر قلم پھیر دیا جائے یا کوئی بھی توہین آمیز علامت بنا دی جائے جس سے چہرے کے خد و خال میں فرق آجائے تو پھر یہ پوری تصویر بھی ممنوع نہیں رہتی کہ یہ صورت توہین تصویر کی ہے تعظیم تصویر کی نہیں ہے جس سے شرک کی بنیاد پڑتی ہے یا اس پر قلم بھی نہ پھیرا جائے بلکہ جوتوں کی جگہ قدموں میں ڈال دیا جائے پھر بھی حکم ممانعت اٹھ جاتی ہے کیونکہ تصویر کو پا مال کرنے کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ انتہائی تذلیل ہے اور شرک انتہائی تعظیم تو ضدین کیسے جمع ہو سکتے ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ تصویر بذاتہ ممنوع نہیں ورنہ برزخ، آخرت اور عالم دنیا میں تصویر اور اس کے مذکورہ افراد ہرگز جائز نہ قرار دئے جاتے۔

**حرمت شراب کی مثال :** ہمیں معلوم ہے کہ شراب کی حرمت

علت سکر (نشہ) کی وجہ سے ہے گویا شراب سے روکنا خود اس مشروب سے روکنا نہیں بلکہ اس کی کیفیت نشہ سے بچانا ہے جس نے اس مشروب کو ناپاک کر دیا ہے یہ دوسری بات ہے کہ یہ کیفیت نشہ آوری اس شربت میں گھل مل گئی ہے اور اس سے جدا نہیں اس لئے اس سے بچانے کی صورت بجز اس مشروب سے روک دینے کے اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی پس اس مشروب سے روکنا درحقیقت اس کیفیت نشہ سے بچانے کی ایک تدبیر ہے فی نفسہ اس سیال مادہ سے روکنا نہیں اگر اس شربت میں یہ کیفیت نہ آئے یا باقی نہ رہے تو یہ حکم ممانعت بھی اٹھ جائے گی چنانچہ انگور یا کھجور کے شربت اور نچوڑ میں جب تک یہ کیفیت نشہ پیدا نہ ہو یا ابھرنے نہ پائے جسے نبیذ کہتے ہیں اس پر شرع کی ممانعت کا فتویٰ بھی نہ لگے گا حالانکہ یہ وہی مشروب ہے جو نشہ آور ہو جانے کی بعد فوراً ہی زیر ممانعت آکر حرام خالص بن جاتا ہے جس کا نام اب بجائے نبیذ کے خمر ہو جائے گا یا کسی سیال مادہ میں نشہ آوری کی کیفیت پیدا ہو کر کسی وجہ سے زائل ہو جائے جیسے الکحل کو دواؤں یا کسی دوسرے استعمالی اشیاء میں ملا دئے جانے پر اس کے کچھ مادی اجزاء تو باقی رہ جاتے ہیں مگر سیلانی کیفیت اڑ جاتی ہے جس کے ذیل میں یہ نشیلا پن بھی کافور ہو جاتا ہے تو ایسے مشروبات کی ممانعت بھی نہیں ہے اسی طرح خمر سرکہ بن جائے تو تبدیل ماہیت سے وہی مشروب اب بجائے



حرام ہونے کے حلال ہو گیا حالانکہ سیال مادہ تو وہی ہے جو پہلے تھا تبدیلی  
ہیئت نے صرف اس کے نشہ کی کیفیت کو زائل کر دیا ہے۔

بہر حال ممانعت شراب سے ممانعت نشہ مقصود ہے ممانعت  
مشروب مقصود نہیں اندریں صورت اس مشروب کی ممانعت در حقیقت  
نشہ سے بچانے کی ایک تدبیر ہوئی جو تا بقاء نشہ باقی رہے گی ورنہ وہ چیز  
جائز ہو جائیگی۔

البتہ بقاء نشہ کی صورت میں شراب کا ایک ایک قطرہ اسی طرح  
حرام رہے گا جس طرح پورا جام و سبو حرام تھا اگرچہ ایک قطرہ سے نشہ  
نہ چڑھے کیونکہ اس میں بقدر حصہ و مقدار نشہ ضرور موجود ہے خواہ  
اس کا احساس ہو یا نہ ہو جیسے درخت یا پچھ کا نشو و نما ہر ہر ساعت اور  
ہر ہر پل ہوتا رہتا ہے مگر قلت مقدار کی وجہ سے اس کا احساس نہیں  
ہوتا سال دو سال میں جب اس کی مقدار معتد بہ ہو جاتی ہے تو مجموعہ کا  
احساس ہوتا ہے پس اس عدم احساس کی وجہ سے اس مقدار قلیل کے  
عدم کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح قطرات شراب میں جزوی نشہ کے  
محسوس نہ ہونے کی وجہ سے اس کی موجودگی کی نفی نہیں جاسکتی بہر حال  
شراب کی ممانعت نشہ سے بچانے کی تدبیر ہے خود بذاتہ مقصود نہیں۔

**قتل کلاب کی مثال:** اسی طرح ضعف علت کی وجہ سے حکم میں  
ضعف آجاتا ہے اسلئے کہ مدار حکم علت ہی ہوتی ہے جیسے شریعت نے

کتوں کے قتل عام کا حکم دیا جس کی علت کتے کی محبت تھی جو اہل جاہلیت کے ذہنوں میں رچی ہوئی تھی بالکل اسی طرح جس طرح آج کے نصرانی تمدن میں عیسائیوں کے قلوب پر کتوں کی محبت مستولی ہے اس علت کے استیصال کے لئے شریعت نے ابتداءً "کتے کی جنس کی قتل عام کا حکم صادر کیا مگر جوں جوں محبت کم ہوتی رہی اس حکم کی شدت بھی کم ہوتی رہی ابتداءً" ہر کتا واجب القتل تھا جب محبت کم ہو گئی تو یہ حکم سیاہ کتوں تک محدود رہ گیا جب محبت کا یہ درجہ بھی نکل گیا تو حکم ممانعت بھی اٹھ گیا اور فرما دیا گیا۔

مالناو للکلاب الخ۔

"ہمیں کتوں سے کیا کام کہ انکی استیصال کی فکر میں لگے رہیں وہ

بھی ایک امت ہے امتوں میں سے۔"

اور جب کتوں سے اعراض اور نفرت قائم ہو گئی تو پھر اس کی بعض انواع کے کام میں لانے تک کی اجازت دے دی گئی جیسے شکاری کتے کی شکار کے لئے، حفاظتی کتے کی حفاظت کے لئے البتہ اس استعمال سے احتمال تھا کہ کہیں محبت لوٹ نہ آئے تو یہ حقیقت ظاہر کر کے اس کے (بلا ضرورت) اختلاط عام سے روک دیا گیا کہ ملا نہ اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا ہوتا ہے۔

بہر حال ہمارا مقصد واضح ہو گیا کہ قتل کلاب کا مسئلہ محبت کلاب کی

بنا پر تھا جوں جوں محبت گھٹتی گئی توں توں حکم میں ضعف آتا گیا تا آنکہ  
استیصال علت سے آخر کار یہ حکم عام ختم کر دیا گیا جس سے واضح ہوا کہ  
قتل کلاب کا حکم ان کی محبت سے بچانے کی ایک تدبیر تھا خود بذاتہ مقصود  
نہ تھا ورنہ منسوخ نہ کیا جاتا۔

ٹھیک اسی طرح عورت کا پردہ بلاشبہ ایک شرعی اور دینی امر ہے  
لیکن وہ خود بذاتہ مقصود نہیں بلکہ ایسی مہلک اور خطرناک علت سے  
بچانے کی تدبیر کے طور پر رکھا گیا ہے جو انسانیت انسانی فرد اور انسانی  
سوسائٹی سب ہی کے لئے سم قاتل ہے اور اس کے متعدد اثرات سے  
کسی بھی وقت قومیں کی قومیں تباہی و بربادی کے کنارے لگ سکتی ہیں  
اس مہلک علت کو قرآن حکیم نے فحش سے تعبیر کیا ہے۔

لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ و ساء سبیلاً ☆

”زنا کے قریب بھی مت جاؤ بیشک وہ بڑی بری اور بے حیائی کی

بات ہے۔

وینہی عن الفحشاء و المنکر الخ ☆

”اور (اللہ) منع کرتا ہے بیحیائی اور برائی سے۔“

اب ظاہر بات ہے کہ زنا کاری اور دواعی زنا (وسائل زنا) کا راستہ

فحش ہے اور اس فحش و منکر کا سب سے اہم اور بڑا مرکز عورت ہے  
جس کے دیکھنے چھونے اور چھیڑنے اور ملاپ کرنے سے لذت حاصل کی



جاتی ہے۔“

علامہ قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی دقیق بحث و تحقیق کو سمیٹتے ہوئے آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ پردہ بذات خود چونکہ مقصود اور مطلوب نہیں ہے بلکہ پردہ کے جملہ احکامات اور بندشیں علت زنا کے روک تھام کی خاطر ہیں اور ہر عورت اور ہر مرد میں یہ علت اور خواہش زنا ایک جیسی نہیں لہذا پردہ کے احکامات بھی مختلف ہونگے چنانچہ علامہ لکھتے ہیں۔

## پردہ کلی یا جزوی طور پر کہاں کہاں

### غیر ضروری ہے

پس پردہ کا عرض کردہ مفصل پروگرام جو متعدد نمبروں پر مشتمل ابھی پیش کیا گیا ہے کہیں کل کا کل نافذ العمل ہوگا جہاں اس علت (زنا) کے سارے امکانات موجود ہوں گے اور کہیں جزوی حیثیت سے زیر عمل آئے گا جس حد تک اس کی علت کے اجزاء پائے جائیں گے اور کہیں یہ سٹم ہی اٹھ جائے گا جہاں فحش اور شہوانی جذبات کے عادی امکانات ختم ہو جائیں گے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ پردہ عورت کی ذات سے نہیں بلکہ اس کے ایک وصف (فحش، زنا) سے ہے چنانچہ عورت کی کتنی ہی انواع پردہ

سے اس لئے مستثنیٰ ہیں کہ یہ وصف وہاں نہیں پایا جاتا ماں، بیٹی کے بارہ میں فحش کا کوئی منظر (گمان) نہیں تو یہاں پردہ سرے سے نہیں شیخ فانیہ (بہت بوڑھی عورت) محل شہوت ہو کر اب اس پر باقی نہیں رہی تو پردے کی ضرورت بھی قائم ہو کر اب باقی نہیں رہی نومولود بچی محل شہوت بننے ہی نہیں پاتی تو پردہ بھی اس سے اس وقت تک قائم نہیں ہو پاتا جب تک کہ اس علت (شہوت، زنا) کا منظر (گمان) اس میں نہ آجائے۔

باندیاں، لونڈیاں، گھر کی مائیں اور کام کاج کرنے والی مزدورنیاں عام حالات کارکردگی میں اپنے میلے کچیلے پن اور غلاظت کے سبب فحش انگیزی (شہوت ابھرنے) کا محل نہیں ہوتیں تو عام حالات میں ان سے پردہ بھی ضروری نہیں رہتا خاص حالات جیسے تخلیہ (تنہائی اور بے خونی کی جگہ) وغیرہ جذبات فحش (زنا) بھڑکا سکتا ہے تو خلوت کی حد تک ان سے اجتناب اور پردہ بھی ضروری ہو جاتا ہے گویا فحش کا منظر جزوی تھا تو پردہ کا نظام بھی اپنی جزوی حیثیت میں ہی نافذ ہوا۔

اسی طرح دیہات کی عورتیں اور مرد بدویت (دیہاتی پن) اور انتہائی سادگی بلکہ تمدنی بے شعوری اور مزاجی بے تمیزی کے سبب فواحش کے کوچہ ہی سے نابلد ہوتی ہیں انہیں رات دن کھیت کیاری کی محنت اور مشغولی اور اوپر سے گاؤں کے تمدن کی بے رنگی یا تکلفات تمدن

سے بے شعوری باوجود اس اختلاط مرد و زن کے، فواحش کے شعور ہی سے دور دور رکھتے ہیں تو وہاں پردے کی کل جزئیات بھی ان کے حق میں ضروری نہیں رہتیں ان کا جزوی پردہ جو گھونگٹ کی شکل میں ہے وہ اس اختلاط کے باوجود قائم رکھی ہیں، کافی ہوتا ہے۔

(ماخوذ از ”شرعی پردہ“ تالیف قاری محمد طیب صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند ادارہ

اسلامیات ۱۹۰ انار کلی لاہور)

## اصل دوم: ضرورت کے وقت حکم میں آسانی

### پیدا ہوتی ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شرعی حکم کی راہ میں جب مشقت اور دشواری کا سامنا ہو تو از روئے شریعت اس میں آسانی آجاتی ہے یعنی مشکل اور تکلیف کا پیش آنا آسانی اور سہولت پیدا ہونے کا سبب ہے اور تنگی کے وقت آزادی پیدا کرنا لازم ہو جاتا ہے خواہ یہ احتیاج عام لوگوں کو درپیش ہو یا مخصوص قوم اور علاقے کو اس صورت حال کا سامنا ہو۔ خواہ ہر دور میں یہ صورت حال پیش آتا رہے یا کسی خاص زمانہ میں اس کا سامنا ہو۔

(الف) المشقة تجلب التيسير یعنی ان الصعوبة تصير سببا للتسهيل ويلزم التوسيع في وقت المضائق



(مجله الاحکام ماده نمبر ۱۷)

وایضا الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة او خاصة-

(مجله الاحکام ماده نمبر ۳۲)

(ب) الامر اذا ضاق اتسع یعنی اذا ظهرت مشقت فی امر یرخص فیہ-

(مجله الاحکام ماده نمبر ۱۸)

(ج) الضرورات تبیح المحظورات-

(مجله الاحکام ماده نمبر ۲۱)

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت او خاصة-

(مجله الاحکام ماده نمبر ۳۲)

## عموم البلوی

ناظرین مندرجہ بالا مادوں کا مفہوم فقہاء کرام کی اصطلاح میں عموم البلوی کے نام سے جانا جاتا ہے یعنی یہ کہ لوگوں کو جب کسی شرعی حکم کی بجا آوری میں مشکلات کا سامنا ہو تو اس میں آسانی پیدا کی جائے۔

## شریعت کے وہ نصوص جن سے مذکورہ

### اصول اور قواعد اخذ کئے گئے ہیں

فقہاء اور ائمہ مذہب نے حسب ذیل آیات اور احادیث سے مذکورہ قواعد اخذ کئے ہیں۔

۱۔ قوله تعالى: يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم

العسر ☆

(البقرة آیت ۱۸۵)

”اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر تنگی نہیں چاہتا۔“

۲۔ قوله تعالى: و ما جعل عليكم في الدين من

حرج ☆

(الحج آیت ۷۸)

”اور (اللہ نے) دین میں تم پر کسی طرح سختی نہیں کی“

۳۔ قوله تعالى: ما يريد الله ليجعل عليكم من

حرج ☆

(المائدة آیت ۶)

اور اللہ تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا۔“

۴۔ يريد الله ان يخفف عنكم وخلق الانسان

## ضعیفاً☆

(النساء، آیت ۲۸)

”اللہ چاہتا ہے کہ تم پر بوجھ ہلکا کرے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

صحیح بخاری کے کتاب الایمان میں لکھتے ہیں۔

۱- ”باب الدین یسر“ قال النبی ﷺ احب الدین الی اللہ الحنیفیة السمحة۔

(بخاری جلد ۱)

”حضور علیہ السلام نے فرمایا دین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو باطل سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے آسانی پسندیدہ تر ہے۔“

۲- قال النبی ﷺ ان الدین یسر و لن یشاد الدین احد الا غلبه فسدوا و قاربوا الخ۔ (بخاری حوالہ بالا)

”حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے دینداری میں تشدد اختیار کی وہ آخر کار مغلوب ہوا پس میانہ روی اختیار کرو اور راہ حق سے قریب رہو۔“

۳- بعث النبی علیہ الصلوٰة و السلام ابا موسی و معاذ الی الیمن فقال یسر او لا تعسر الخ۔

(بخاری جلد ۲، صفحہ ۶۲۲)



”حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ابو موسیٰ اور معاذ رضی اللہ عنہما کو عامل بنا کر دونوں کو یمن کی طرف روانہ کیا اور انہیں ہدایت کی کہ دین اسلام اور احکامات شریعت کے بارے میں لوگوں کے ساتھ آسانی کا بھرتاؤ کر دشواری اور سختی سے اجتناب کرو۔“

۴۔ قال علیہ الصلوٰۃ و السلام انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۵)

”حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے صحابہ رضوان اللہ علیہم سے فرمایا بے شک تمہیں آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجا گیا نہ کہ دشواری پیدا کرنے والے۔“

یہ ہیں ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کی ایک جھلک جن سے ائمہ اور فقہاء مذہب نے مذکورہ قواعد اور اصول اخذ کئے ہیں اور پھر انہی قواعد اور اصول کے تحت بہت سے ایسے مسائل کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جو اصولی طور پر از روئے مذہب تو ناجائز ہیں مگر مشقت، دشواری اور لوگوں کی عام احتیاج اور عموم بلوی کے سبب مذکورہ آیات اور احادیث کے پیش نظر جائز قرار دئے گئے ہیں۔

چنانچہ مذکورہ (مادہ ۱۷) کے تحت علامہ علی حیدر شرح المجلد جلد ۱ صفحہ ۳۵ پر تحریر فرماتے ہیں۔

یعنی ان الصعوبة التي تصادف في شئ تكون  
 سببا باعثا على تسهيل و تهوين ذلك الشئ و بعبارة  
 اخرى يجب التوسيع و وقت الضيق و ان  
 التسهيلات الشرعية تجوز عقود القرض و  
 الحوالة و الحجر و الوصية و السلم و الاقالة  
 و المزارعة و المساقات و غيرها الخ مستندة على  
 هذه القاعدة و قد صار تجویزها دفعا للمشقة و جلبا  
 للتيسير رخصا۔

”یعنی کسی چیز میں دشواری اور مشقت کا سامنا ایک ایسا سبب ہے  
 جو اس چیز میں سہولت اور آسانی کا باعث بنتا ہے دوسرے الفاظ میں یوں  
 کہئے کہ وقت اور تنگی کی وقت وسعت اور آسانی پیدا کرنا لازم ہو جاتا  
 ہے اور شریعت کے احکامات میں بہت سی آسانیاں مثلاً لین دین کے  
 معاملات میں قرضوں کا جائز ہونا، حوالہ (کسی کے ذمے دین منتقل کرنا)  
 کسی انسان کی تصرفات پر بندش لگانا، وصیت اور بیع سلم، یا کسی سودے  
 کو منسوخ کرنا، نیز کاشتکاری اور باغبانی وغیرہ بیشمار مسائل کا جائز ہونا اسی  
 مذکورہ قاعدہ پر مبنی ہے یہ تمام مسائل لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنے  
 اور ان سے مشقت اور دشواری دفع کرنے کی خاطر جائز کئے گئے ہیں اور  
 ایسے مسائل کو شریعت میں ”رخصتوں“ کا نام دیا جاتا ہے۔

والرخصة: لغة التوسع واليسر والسهولة وفي  
اصطلاح الفقهاء: هي الاحكام التي ثبتت  
مشروعيتها بناء على الاعذار مع قيام الدليل  
المحرم توسعاً في الضيق-

(شرح المجلة لعلی حیدر جلد ۱، صفحہ ۳۵)

رخصت کا مفہوم۔ عربی زبان میں رخصت کا معنی ہے وسعت،  
آزادی، آسانی اور سہولت اور فقہاء کی اصطلاح میں اس کا مفہوم ہے کہ  
وہ مسائل جو لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنے اور ان سے دشواری  
ہٹانے کی عذر کے بنا پر جائز کئے گئے ہیں ورنہ اصل مذہب میں مذکورہ  
مسائل کے ناجائز ہونے کے دلائل جوں کے توں اب بھی موجود ہیں۔

اور اسی ہی قاعدہ ۱۷ "یعنی المشقة تجلب التيسير"  
کے تحت شارح مجلہ علامہ سلیم باز نے اپنی شرح کے صفحہ ۲۷ اور علامہ  
محمد خالد الاتاسی جلد ۱ صفحہ ۲۸ پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

علامہ ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شاہکار تالیف  
"الاشباه والنظائر" میں اسی قاعدہ پر مبنی ان مسائل کا بڑی تفصیل  
کے ساتھ ذکر فرمایا ہے جن کا بنیاد لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنے اور  
انہیں مشقت اور دشواری سے نجات دلانے پر رکھا گیا ہے ان میں سے  
بعض کا مختصر طور پر اردو مفہوم عرض کر دیتا ہوں۔



۱- جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا پیشاب اگر کسی کے کپڑے کو لگا اور اس کپڑے میں نماز پڑھ لی تو نماز جائز ہوگی۔

۲- بارش کے دوران بازاروں، شہروں اور دیہاتوں کے گلی کوچے کیچڑ سے بھرے رہتے ہیں جن میں ہر قسم کی نجاستیں اور غلاظتیں گھل مل جاتی ہیں لیکن اس کے باوجود یہ کیچڑ پاک سمجھا گیا ہے۔

۳- بعض مقامات میں مکانات کی لپائی کے لئے مٹی کے گارے میں گائے اور بیہنس وغیرہ کی گوبر کافی مقدار میں لوگ ملا دیتے ہیں اس کو ہمارے اصطلاح میں ”گوبری“ اور فقہاء کے اصطلاح میں ”طین بخاری“ کہا جاتا ہے یہ کیچڑ اور اس کا پانی بھی پاک ہے۔

۴- اگر کسی کے ناک، دانت یا زخم سے یا عورت کی ماہواری کے دنوں کے سوا اس کی بدن سے خون جاری رہتا ہے یا کسی کا پیشاب ہر وقت ٹپکتا رہتا ہے یا کسی کو پیٹ کے گیس کی تکلیف رہتی ہے تو ایسے افراد کے لئے حکم یہ ہے کہ ہر ایک نماز کا وقت داخل ہونے پر وضو کر کے صاف کپڑے پہن لیا کریں اور شریعت کی رو سے ایک نماز کا پورا وقت اس ایک وضو سے وہ با وضو اور پاک سمجھا جاتا ہے مثلاً دن کو زوال ہونے کے بعد تا وقت عصر اسی وضو اور اسی کپڑے میں فرض نماز، سنت، مستحب، نوافل جو کچھ عبادات ادا کرنا چاہے کر سکتا ہے اگرچہ اس کے جسم سے خون وغیرہ بہتا رہے اور اس کے کپڑے اور مصلیٰ خون

اور پیشاب وغیرہ سے لت پت ہو ایسے شخص کو فقہاء کی اصطلاح میں ”صاحب العذر“ کہا جاتا ہے البتہ اس کے بدن سے مذکورہ نجاست کے علاوہ اگر کوئی اور نجاست نکلے تو اس سے اس کا وضو ٹوٹ جائیگا اور اگر کپڑے کو لگے تو اس کو دھونا لازمی ہوگا۔

۵۔ اگر دنبہ، بھیڑ اور بکری کا دودھ نکالتے وقت برتن میں مینگنیاں گر گئیں یا کسی کنویں میں اونٹ وغیرہ کی سالم مینگنیاں دیکھی گئیں اور پانی میں بد بو پیدا نہیں ہوئی تو دودھ اور پانی پاک ہے۔

۶۔ جب اہل بخارا پر غربت اور محتاجی آ پڑی تو قرض لینے کے بدلے زمین رہن کرنے اور قرضدار کو منفعت قرض کے بدلے زیادہ لینے کے جواز کا فتویٰ دیا گیا اور اس کو ”بیع وفا“ ”یا بیع الامن“ کا نام دیا گیا۔

اگرچہ مذکورہ چیزیں سب کے سب نجس اور حرام ہیں مگر ان سے بچنے میں انتہائی دشواری اور مشقت اٹھانے کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے ”المشقة تجلب التیسیر“ کے قاعدہ کے تحت مذکورہ نجاستیں پاک سمجھی گئیں اور قرض پر منفعت کی شرط کے باوجود رخصت اور اجازت دے دی گئی۔

(الاشباہ والنظائر جلد ۱، صفحہ ۲۳۵ تا ۲۳۷)

ماہ ۱۸ یعنی الامر اذا ضاق اتسع ”تنگی کے وقت لوگوں کے

لئے وسعت اور گنجائش کا پیدا ہونا“ کے تحت علامہ آتاسی رحمہ اللہ نے ان مسائل کی طرف اجمالاً اشارہ کیا ہے جن کی بنیاد اسی قاعدہ پر رکھی گئی ہے ان میں سے بعض کا اردو مفہوم پیش خدمت ہے۔

۱۔ ایسی جگہ جہاں عاقل بالغ مردوں کی موجودگی ممنوع ہو اور وہاں صرف عورتیں یا نابالغ بچے ہوں ایسے ماحول میں اگر کوئی چور کسی کے حق پر ہاتھ ڈالے تو اس میں صرف عورتوں یا بچوں کی شہادت قبول کی جائیگی تا کہ حقوق کے ضائع ہونے کی مشکل سے نجات پایا جاسکے۔

۲۔ بچے کی نسب کے ثبوت کے لئے صرف ایک دایہ کی گواہی مذکورہ قاعدہ کی اساس پر کافی سمجھی جاتی ہے۔

۳۔ بھوک کی شدت کے وقت مردار چیز کا کھانا، یا سخت پیاس کی وجہ سے ممنوع چیز کا پینا جائز ہو جاتا ہے۔

۴۔ آج کل اذان، اقامت، وعظ و تقریر، تعلیم قرآن و حدیث اور درس و تدریس پر اجرت لینا اسی مذکورہ قاعدہ کے تحت جائز قرار دیا گیا ہے ورنہ اصل مذہب کی رو سے یہ تمام صورتیں ناجائز ہیں۔

(شرح الجلد ۱، صفحہ ۱۵، خالد الا تاسی رحمہ اللہ)

علامہ ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ نے ”الفائدة الرابعة“ کے عنوان کے تحت مذکورہ قاعدہ پر مبنی رخصتوں کی تفصیل ذکر کی ہے ملاحظہ فرمائیں۔ (الاشباه والنظائر جلد ۱، صفحہ ۲۷۳ تا ۲۷۸)



علامہ محمد خالد الاتاسی رحمہ اللہ ”الحاجة تنزل منزلة  
الضرورة الخ ماده ۳۲ کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔  
اشارت المادة الى ان الضرورة وان كانت اشد الا ان  
الحاجة عامة كانت او خاصة تنزل ايضا منزلتها في  
تجويز الممنوع شرعا الخ (الى ان قال) و اعلم ان أكثر  
ما ورد على خلاف القياس من الاحكام الشرعية  
مبنى على الحاجة كالبيع بالوفاء القياس يقتضى  
عدم جوازه لوجود شرط فيه نفع لاحد العاقدین  
لكن جوازه للحاجة بسبب كثرة الديون على اهل  
البخارى و هكذا بمصر و قد سموه بيع الامانة و  
الشافعية يسمونه الرهن المعاد۔

(شرح المجله خالد الاتاسی بحواله اشباه)

مذکورہ مادہ سے واضح ہوتا ہے کہ ضرورت کا درجہ اگرچہ حاجت  
سے بڑھ کر ہے تاہم فقہاء نے شرعی ممنوعات کے جواز کے لئے حاجت  
کو ضرورت کا درجہ دیا ہے۔

علامہ رحمہ اللہ آگے لکھتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ مذہب کے قواعد کے برخلاف جن مسائل کو جائز  
قرار دیا گیا ہے ان میں سے بیشتر حاجت کی بنا پر ہیں جیسے ”بیع وفا“ کہ

مذہب کے اصول اور قواعد کی رو سے یہ ناجائز ہے اس لئے کہ اس عقد میں ایسا شرط ہے جس میں ایک فریق کے لئے اضافی منفعت اور فائدہ ہے لیکن پھر بھی فقہاء نے بہ سبب حاجت اسے جائز قرار دیا وہ اس طرح کہ اہل بخاری اور ایسا ہی اہل مصر پر جب قرضوں کا بوجھ آیا تو وہاں کے علماء نے ان کے لئے زمین کا رہن (گروی) جائز قرار دیا اسے ”بیع الامانہ“ بھی کہتا ہے۔

علامہ علی حیدرؒ مذکورہ مادہ ۳۲ کی تشریح میں تحریر فرماتے ہیں۔

ومن هذا القبيل تجويز بيع الوفاء لانه لما كثرت الديون على اهل بخارى مست الحاجة الى ذلك و صار مرعيا و يفهم منها بيع الوفاء كان ممنوعا و قد جوز بناء على الضرورة لان استفادة القرض زيادة عن بدل القرض ربا و ممنوع شرعا و بيع الوفاء من هذا القبيل غير جائز اصلا و لكن حسب ما هو المذكور في هذه القاعدة قد اجتهدت الفقهاء بناء على احتياف اهالي بخارى ذلك الزمن تجويزه۔

(درر الحکام جلد ۱، صفحہ ۴۲)

”یعنی ان ہی مسائل میں سے ”بیع وفا“ ہے چنانچہ جب اہل بخاری

پر قرضوں کی کثرت ہو گئی تو اس کے جواز کی حاجت پیش آئی اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ”بیع وفا“ درحقیقت ناجائز تھا مگر ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دیا گیا ناجائز اس لئے تھا کہ قرض دینے والا جب قرض کے بدلے قرض سے زیادہ وصول کرے تو یہ سود اور ربا ہے جو شرعاً ممنوع ہے اور بیع وفا (گروی) میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے اسلئے ناجائز ہے لیکن مذکورہ قاعدہ کے بنا پر وہاں کی علماء نے اجتہاد کر کے اہل بخاری کی احتیاج کے سبب اسے وقتی طور پر جائز قرار دیا۔“

اسی طرح صاحب الاشبہ والنظائر لکھتے ہیں۔

الحاجة تنزل منزلة الضرورة عامة كانت اور خاصة و  
من ذلك جواز السلم على خلاف القياس لكونه  
بيع المعلوم دفعا لحاجة المفاليس و منها جوارا  
الاستصناع للحاجة و دخول الحمام مع جهالة مكثه  
فيها و ما يستعمله من مائها و شرب السقاء و منها  
الافتاء بصحة بيع الوفاء حين كثر الدين على اهل  
بخارى و هكنا بمصر و قد سموه بيع الامانة و  
الشافعية يسمونه الرهن المعاد و هكنا سماه به في  
الملتقط و قد ذكرناه في شرح الكنز من باب خيار  
الشرط و في القنية و البغية يجوز للمحتاج



الاستقراض بالربح (انتہی)  
حموی شرح الاشباہ میں ہے۔

قوله : يجوز للمحتاج الاستقراض بالربح و  
ذالك نحو ان يقترض عشرة ذنانير مثلا و يجعل  
لربها شيئا معلوما في كل يوم ربحا۔

(الاشباہ والنظائر جلد ۱، صفحہ ۲۹۳)

چونکہ اشباہ کی عبارت صرف اہل علم کے لئے درج کی گئی ہے اس  
لئے اردو ترجمہ اور وساحت چھوڑ دی جاتی ہے۔

قصہ مختصر: مذکورہ نصوص اور ان پر مبنی اصول اور قواعد کے تحت  
فقہاء اور ائمہ مذہب نے عام احتیاج، عموم بلوی اور مشقت کے پیش نظر  
شرعی احکامات میں جو نرمی آسانی اور سہولت پیدا کی ہے شاید علم دین  
سے نابلد عام لوگ اسے ماننے کے لئے تیار بھی نہ ہو جائیں مثال کے  
طور پر صاحب الہدایہ تحریر فرماتے ہیں۔۔

و عن محمد رحمة الله ايه لما دخل الري و رای  
البلوی افتی بان الكثير الفاحش لا يمنع ایضا۔

(ہدایہ باب الانجاس و تطہیرھا)

امام محمد رحمہ اللہ نے مروی ہے کہ جب آپ بارش کے دوران  
شہر میں داخل ہوئے اور بازار کے کیچڑ اور غلاظتوں سے بچنے میں لوگوں

کی تکلیف اور مشقت برداشت کرنے کو محسوس کیا تو آپ نے عام فتویٰ صادر فرمایا کہ اس نجاست اور غلاظت سے خواہ بہت زیادہ ہی مقدار کسی کے کپڑے وغیرہ کو پہنچے تو بھی اس کو دھوئے بغیر اسی کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے اور وہ نجاست احتیاج عام (عموم بلوی) کے سبب پاک ہے۔  
ہدایہ کے علاوہ فتح القدر میں یہی کچھ ذکر ہوا ہے۔

نیز علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ بحر الرائق میں رقمطراز ہے۔

وزاد "فی الاختیار" فی تفسیر الغلیظة عندہ و لا حرج فی اجتنابہ و فی تفسیرہا عندہما و لا بلوی فی اصابته فظہر بہ ان عندہ کما یکون التخفیف بالتعارض یکون بعموم البلوی بالنسبة الی جنس المکلفین و ان ورد نص واحد فی نجاستہ من غیر معارض و کذا عندہما کما یکون التخفیف بالاختلاف یکون ایضا بعموم البلوی فی اصابته و ان وقع الاتفاق علی النجاسة فیقع الاتفاق علی صدق القضية المشہورة المنقولة فی الکافی و ہی "ان ما عمت بلیتہ خفت قضیتہ"۔

(بحر الرائق جلد ۱، صفحہ ۲۲۹)

بحر الرائق میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے نجاست غلیظہ کی

جو تفسیر منقول ہے اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ اس نجاست سے اپنے آپکو بچانے میں لوگوں کے لئے دشواری بھی نہ ہو یہ زیادتی صاحب البحر نے ”الاختیار“ سے نقل کی ہے۔

نیز ”الاختیار“ میں ہے کہ : امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ سے نجاست غلیظہ کی جو تفسیر منقول ہے اس میں ایک قید یہ بھی ہے کہ۔ اس نجاست میں ابتلاء عام نہ ہو۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کسی نجاست میں تخفیف دو علتوں اور وجوہ کے سبب پیدا ہوتی ہے ایک علت یہ کہ اس نجاست کے بارے میں دو متضاد نص وارد ہوں ایک سے اس کی نجاست ثابت ہو اور دوسرے سے اس کی طہارت تو ایسی صورت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ نجاست مغلظہ (سخت پلیدی) نہ ہوگی بلکہ نجاست خفیفہ (ہلکی پلیدی) ہوگی۔

دوسری علت یہ کہ اس پلیدی سے بچنے میں لوگوں کو دشواری کا سامنا نہ ہو اگر اس سے بچنے میں دشواری اور تکلیف ہو تو بھی یہ پلیدی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نجاست خفیفہ (ہلکی پلیدی) ہوگی اگر چہ اس نجاست کے بارے میں صرف ایک نص (آیت یا حدیث) وارد ہو جس سے اس کی نجاست ثابت ہوتی ہو اور اگر چہ اس کی طہارت میں کوئی ایک نص بھی نہ ہو خواہ وہ دشواری ہر ایک کے لئے ہو یا تمام



مکلفین کے لئے ہو۔

اور ایسا ہی ابو یوسف رحمہ اللہ اور محمد رحمہ اللہ کے نزدیک کسی نجاست میں تخفیف دو سب سے آتا ہے ایک یہ کہ اس کی نجاست میں دو مجتہدوں کا اختلاف ہو ایک مجتہد اسے نجس کہتا ہو اور دوسرا اسے پاک قرار دیتا ہو اگر سب مجتہدین اسے نجس قرار دیتے ہوں تو یہ نجاست غلیظہ ہوگی۔

دوسرا سبب یہ کہ اس میں عموم بلوی یعنی عمومی تکلیف اور مشقت ہو ایسی صورت میں بھی وہ نجاست خفیفہ (ہلکی پلیدی) ہی ہوگی اگرچہ تمام مجتہدین اس کی نجاست پر متفق ہوں پس اس طرح تینوں اماموں کا اس مشہور قاعدہ کی سچائی پر اتفاق ہوا جسے ”الکافی“ نے نقل کیا ہے وہ یہ کہ ”جس مسئلے پر عمل درآمد میں لوگوں کے لئے تکلیف کا سامنا ہو اس میں آسانی اور سہولت آجاتی ہے۔“

نیز صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں۔

و اذا اصاب الخف نجاسة لها جرم كالروث  
والعذرة و الدم و المنى فجفت فذلكه بالارض جاز و  
فى الرطب لا يجوز حتى يغسله و عن ابى يوسف  
رحمه الله انه اذا مسح بالارض حتى لم يبق اثر  
النجاسة يطهر لعموم البلوى و اطلاق ما يروى و

عليه مشائخنا رحمهم الله

(هدایہ باب الانجاس و تطہیرھا)

”قال شمس الائمة السرخسی رحمہ اللہ و هو

الصحيح و عليه الفتوى للضرورة“

(عنايہ علی ہامش الفتح جلد ۱ صفحہ ۱۳۶)

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ جب کسی کے موزہ کو ایسی نجاست لگ جائے جو ذی جسم ہو جیسے گوبر، انسان کا پاخانہ، خون اور منی پھر وہ خشک ہو جائے پھر موزے وغیرہ کو (جو چمڑے وغیرہ سے بنے ہوتے ہیں) زمین پر رگڑے تو وہ پاک ہو جاتا ہے البتہ گیلی نجاست سے بغیر دھوے پاک نہیں ہوتا۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اگر گیلی پلیدی موزے کو لگے اور زمین پر یہاں تک رگڑے کہ پلیدی کا اثر (رنگ و بو) باقی نہ رہے تو بھی بغیر دھوئے پاک ہو جاتا ہے بسبب عموم بلوی کے اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے اپنے موزوں پر پلیدی دیکھی تو اسے زمین پر رگڑ دے اور اس پر عمل پیرا ہیں ہمارے مشائخ رحمہم اللہ۔

عنايہ شرح ہدایہ میں ہے:-

شمس الائمة علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں

امام ابو یوسف رحمہ اللہ ہی کا قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اس لئے کہ گلی کوچے غلاظتوں سے بھرے رہتے ہیں اور موزوں وغیرہ کو ہر نماز کے لئے دھونے میں مشقت اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔  
علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں۔

قولہ: ”وما قيل ان البلوى لا تعتبر في موضع النص عنده كبول الانسان فممنوع بل تعتبر بالنص النافي للخرج و هو ليس معارضة للنص بالرأى كذافي الفتح“۔

(بحر جلد ۱، صفحہ ۲۳۱)

(وہ کذافی فتح القدير جلد ۱، صفحہ ۱۳۲)

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ عموم البلوی کا اعتبار ان مسائل میں نہیں جن کے بارے میں نص وارد ہو بنا بر قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جیسے انسان کا پیشاب تو یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی بلکہ نص کے مقابلہ میں بھی عموم بلوی معتبر ہوگا جس کا اساس ان نصوص پر ہو جن میں لوگوں سے مشقت اور تکلیف ہٹانے اور آسانی و سہولت پیدا کرنے کا حکم وارد ہے اس لئے یہ نص کا مقابلہ رای اور قیاس کے زمرے میں نہیں آتا اور ایسا ہی فتح القدير میں ہے۔

(فتح القدير میں یہ مسئلہ جلد ۱، صفحہ ۱۳۲ پر تحریر ہے)



## مندرجہ بالا قواعد سے پردے کے مسائل

### کی وضاحت

قرآن کریم نے مسئلہ حجاب کے بارے میں جو اصل حکم دیا ہے وہ یہ کہ عورت گھر کے اندر ہی بیٹھی رہے تاکہ اس کی شخصیت اور جسم کے خدو خال یہاں تک کہ اس کے کپڑے اور برقع تک کسی اجنبی کو نظر نہ آئے۔

☆ قولہ تعالیٰ: **وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ** الآية

(پارہ ۲۲، احزاب، آیت ۳۰۳)

”اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو۔“

☆ قولہ تعالیٰ: **وَلَا يَبْدِينَ زِينَتَهُنَّ** الآية

(پارہ ۱۸، النور، آیت ۳۱)

”اور اپنی زینت کا مظاہرہ نہ کریں۔“

چونکہ لباس بھی زینت ہے لہذا بلا ضرورت عورت کا لباس اور برقع تک کوئی اجنبی مرد نہ دیکھے۔

☆ قولہ تعالیٰ: **خُدُو زِينَتَكُمْ** عند كل مسجد الآية

(پارہ ۸، اعراف، آیت ۳۱)

”تم مسجد کی حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔“

یہاں لباس کے لئے لفظ زینت استعمال کیا گیا ہے۔

# اجنبی مرد کا کسی کے گھر میں داخل ہوتے

## وقت قرآنی ہدایت

عورت تو گھر کی چار دیواری کے حجاب کے اندر بیٹھی ہوئی ہے مگر کسی اجنبی مرد کو اسی گھر میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آئی اس بارے میں اللہ تعالیٰ ہدایت فرماتا ہے۔

قوله تعالى: يا ايها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستانسوا و تسلموا على اهلها الا يه



(پارہ ۱۸، النور، آیت ۲۷)

”اے ایمان والو اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں نہ جایا کرو جب تک اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کہہ لو۔“

تشریح: چونکہ گھر کے اندر عورتیں عموماً حجاب کا پاس نہیں رکھتیں کیونکہ چار دیواری کے اندر محبوب ہوتی ہیں اس لئے اجنبی مرد بلا اجازت یعنی بغیر اطلاع کے گھر میں داخل ہو جائے تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ اس کی نگاہ بے حجاب عورتوں پر پڑے گی اس لئے اجازت لینے کا حکم ہوا نیز اگر اجنبی مردوں کے داخلہ پر اطلاع دینے کی پابندی نہ لگا دی جاتی تو عورتوں کو گھروں کے اندر بیٹھنے کا حکم بے سود ہوتا لہذا

جس وقت اور جب کبھی کوئی اجنبی مرد کسی غیر کے گھر میں داخل ہونا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ ”عرف اور علوت“ کے مطابق اجازت لے یا کم از کم اپنے داخلہ سے آگاہ کر لے تاکہ مستورات ضروری حجب اختیار کر سکیں۔

## اجنبی مرد کا کسی گھر میں بار بار داخل ہونے کی

### ضرورت ہو تو کیا حکم ہے؟

جب کوئی ایسا اجنبی ہو جس کا داخلہ بار بار ہو اور ہر مرتبہ اجازت لینے میں مشقت ہو تو ایسی صورت کے بارے میں قرآن الگ اور جداگانہ ہدایت دیتا ہے۔

قوله تعالى : يا ايها الذين آمنوا ليستأذنكم الذين ملكت ايمانكم والذين لم يبلغوا الحلم منكم ثلاث مرات من قبل صلوة الفجر و حين تضعون ثيابكم من الظهيرة و من بعد صلوة العشاء ثلاث عورات لكم ليس عليكم و لا عليهم جناح بعدهن طوافون عليكم بعضكم على بعض الآية ☆

(پارہ ۱۸، النور، آیت ۵۸)

”اے ایمان والو تمہارے غلام اور تمہارے وہ (آزار) لڑکے جو



ابھی بالغ نہیں ہوئے تم سے ان تین وقتوں میں اجازت لے کر آیا کریں  
(تمہارے گھروں میں داخل ہوا کریں) صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کے  
وقت جبکہ تم اپنے کپڑے (گرمی کی شدت سے) اتار دیتے ہو اور عشاء  
کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردے کے ہیں ان کے بعد تم پر  
اور ان پر کوئی گناہ نہیں تم آپس میں ایک دوسرے کے پاس آنے جانے  
والے ہو۔“

عظیم اور مستند مفسر علامہ آلوسی رحمہ اللہ اپنی مشہور تفسیر روح  
المعانی جلد ۱۰، جزء ۱۸، صفحہ ۲۱۰ پر آیت بالا کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔  
والجمہور علی عموم (الذین ملکات ایمانکم) فی  
الأماء والكبار والصغار الخ  
”جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ ”ملکت ایمانکم“ سے مراد غلام  
اور لونڈیاں دونوں قسم ہیں خواہ بالغ ہوں یا نابالغ۔

علامہ موصوف (طوافون علیکم) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔  
خبر مبتداء محذوف ای ہم طوافون و الجملة  
استئناف ببيان العذر المرخص فی ترک الاستئذان و  
هو المخالطة الضرورية و كثرة المداخلة وفيه دليل  
على تعليل الاحكام الشرعية الخ۔

”طوافون مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی یہ لوگ (آقا اور ان کے

مملوک) ایک دوسرے کے گھروں میں بار بار آتے جاتے رہتے ہیں اور ”طوافون“ کا لفظ ایک مستقل جملہ ہے جو یہ بتا رہا ہے کہ مذکورہ تین وقتوں کے سوا بالغ اجنبی غلاموں اور لونڈیوں کو گھروں میں بغیر اذن کے داخل ہونے کی اجازت دے کر سابقہ آیت استیذان سے مستثنیٰ کرنے کی علت اور وجہ ایک دوسرے کے ساتھ گھروں میں خلط ملط اور بکثرت آنا جانا ہے اور اس ضرورت کے پیش نظر ہر بار اجازت لینے میں دشواری اور تکلیف ہے نیز طوافون کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ احکام شرعیہ علت کے تابع ہیں۔“

علامہ آلوسی رحمہ اللہ اس سے پہلے آیات استیذان (اجازت لینے کی آیات) میں منظرہ تعارض دفع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و ذهب بعضهم الى ان قوله تعالى: (يا ايها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستانسوا و تسلموا على اهلها) منسوخ بهذه الاية حيث دلت على جواز الدخول بدون استئذان بعد الاوقات الثلاث و دلت ذلك على خلفه و من لم يذهب اليه قال انها في الصبيان و مماليك المدخول عليه و اية الاستئذان في الاحرار البالغين و مماليك الغير في حكمهم فلا منافات ليلزم النسخ الخ

(روح المعانی حوالہ مذکور صفحہ ۲۱۵)

خاتمة المحققین، عملة المدققین، مفتی بغداد  
علامہ آوسی رحمہ اللہ تعالیٰ آیت مذکورہ (ملکت ایمانکم) کی تفسیر  
کے بارے میں دوسرے مفسرین کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔  
و عن ابن عمرؓ و مجاهد رحمہ اللہ انہ خاص  
بالذکور کما هو ظاہر الصیغۃ و روی ذلک عن ابی  
جعفر و ابی عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وقال  
سلمیٰ انہ خاص بالاناث و هو قول غریب لا یعول  
علیہ و عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما  
تخصیصہ بالصغار و هو خلاف الظاہر جدا الخ

(روح المعانی جلد ۱۰ جزء ۱۸، صفحہ ۲۱۰)

”ابن عمر اور مجاہد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ”ملکت  
ایمانہم“ یعنی مملوک سے صرف مرد یعنی غلام مراد ہے جیسا کہ ظاہر  
لفظ (الذین) سے معلوم ہوتا ہے یہی روایت حضرت ابو جعفر اور حضرت  
ابو عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے بھی ہے اور حضرت سلمیٰ رحمہ اللہ کہتا  
ہے کہ (ما ملکت ایمانہم) خاص ہے عورتوں کے ساتھ یعنی اس  
سے مراد کنیز اور لونڈیاں ہیں یہ قول غریب اور ضعیف ہے جس پر اعتماد  
نہیں کیا جاسکتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ



(ما ملکت ایمانہم) سے نابالغ غلام مراد ہیں مگر یہ بات ظاہر ہے کہ بہت ہی خلاف ظاہر ہے۔“

علامہ شیخ احمد رحمہ اللہ تعالیٰ عرف ملا جیون اپنی مشہور تفسیر میں (لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والمعنی یا ایہا الذین آمنوا لیطلب الاذن منکم فی الدخول فی بیوتکم مملوککم من العبید والاماء واطفالکم الخ۔

(تفسیرات احمدی صفحہ ۵۷۴)

”آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو چاہئے کہ تمہارے مملوک غلام اور لونڈیاں نیز تمہارے آزاد نابالغ بچے تمہارے گھروں میں داخل ہونے کے لئے (مذکورہ تین اوقات میں) تم سے اجازت طلب کیا کریں۔“

علامہ موصوف مملوک اور عبید میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وینبغی ان یعلم ان المفسرین و ان لم ینصوا بما هو المراد من ما ملکت ایمانکم و لکن الانسب ان یکون المراد ممالیک انفسہم حقیقۃ و ان کان یحتمل ان یکون المراد ممالیک جمیع المسلمین

مجازاً عملاً بروایتی نزولها و ذالک لان ممالیک  
الاجانب ینبغی ان یحتاجوا بالاستیدان فی جمیع  
الاقوات فیکون داخل فی الآیة السابقة الخ

(تفسیرات احمدی صفحہ ۵۷۵)

جاننا چاہئے کہ اگرچہ مفسرین نے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ  
مملوک غلام اور لونڈی سے اپنے مملوک مراد ہیں یا ہر کسی مسلمان کے  
مملوک یعنی مطلق مملوک مگر زیادہ مناسب یہ ہے کہ اپنے مملوک مراد  
ہوں اگرچہ اس کا بھی احتمال ہے کہ مطلق مملوک مراد ہوں اس لئے کہ  
اس آیت کے شان نزول میں دونوں قسم (اپنے مملوک اور مطلق  
مملوک) غلاموں کا ذکر بھی روایات میں آیا ہے تاہم اپنا مملوک مراد لینا  
اس لئے زیادہ مناسب ہے کہ اجنبی اور غیر لوگوں کے غلاموں پر تو ہے  
لازم کہ جب بھی کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہونا چاہیں تو اجازت  
لے کر اندر جائیں اس طرح غیر لوگوں کے غلام تو آیت سابق کے حکم  
میں داخل ہیں۔“

علامہ جصاص رحمہ اللہ (ملکت ایمانکم) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔  
فالظاہر ان المراد الذکور و الاناث من الممالیک  
و لیس العبید لان العبید مامورون فی کل وقت  
الخ۔

(احکام القرآن للجصاص جلد ۳ صفحہ ۳۳۰)

”یعنی ظاہر بات یہی ہے کہ ”ملکت ایمانکم“ سے مراد اپنے مملوک غلام اور لونڈیاں ہیں مطلق مملوک جس میں ہر مسلمان کے مملوک داخل ہیں مراد نہیں اس لئے کہ غیر کے غلاموں کو تو ہر وقت اجازت لینے کا حکم ہے۔“

علامہ حافظ ابن کثیرؒ مذکورہ آیات (یا ایہا الذین آمنو لیستادنکم الذین ملکت ایمانکم الآیہ) کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

هذه الآيات الكريمة اشتملت على استئذان الاقارب بعضهم على بعض وما تقدم في اول السورة فهو استئذان الاجانب بعضهم على بعض فامر الله تعالى المومنين ان يستاذنهم خدامهم مما ملکت ایمانهم واطفالهم الذین لم يبلغوا الحلم منهم فی ثلاثة احوال من قبل صلوة الغداة لان الناس اذ ذالك یكونون نیاما فی فرشهم (و حين تضعون ثيابکم من الظهيرة) ای فی وقت القیلولة لان الانسان قد يضع ثيابه فی تلك الحال مع اهله (و من بعد صلوة العشاء) لانه وقت النوم فیومر الخدم و الاطفال ان لا



یہجموا علی اهل البیت فی هذه الاحوال لما یخشی  
من ان یکون علی اہلہ او نحو ذلک من الاعمال ولہذا  
قال (ثلاث عورات لکم لیس علیکم ولا علیہم  
جناح بعدہن) ای اذا دخلوا فی حال غیر ہذہ  
الاحوال فلا جناح علیکم فی تمکینکم ایہم ولا  
علیہم ان راوا شیئا فی غیر تلک الاحوال لانہ قد اذن  
لہم فی الهجوم الخ

(ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۹۹)

”یہ آیات خویش و اقارب کے ایک دوسرے کے گھروں میں آنے  
جانے کی اجازت کے احکامات پر مشتمل ہیں جبکہ اس سورہ کی ابتدائی  
آیات اجنبی لوگوں کا ایک دوسرے کے گھروں میں آنے جانے کی  
اجازت کے احکامات پر مشتمل تھیں پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا  
کہ ان کے مملوک غلام، لونڈیاں اور ان (مومنین) کے آزاد نابالغ بچے  
ان کے گھروں میں داخل ہونے کے لئے تین اوقات میں ضرور ان سے  
اجازت طلب کیا کریں۔

اول: نماز فجر سے پہلے اس لئے کہ لوگ اس وقت اپنے بستروں میں  
سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔

دوم: دوپہر کے وقت کیونکہ اس وقت کبھی کبھار انسان کپڑے اتار کر

اپنی اہلیہ کے ساتھ ہوتا ہے۔  
 سوم : نماز عشاء کے بعد اس لئے کہ یہ وقت نیند کا ہوتا ہے پس  
 غلاموں لونڈیوں اور بچوں کو ہدایت کی گئی کہ ان احوال میں بغیر اجازت  
 کے گھروں میں نہ جایا کریں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ہم بستری  
 میں مصروف ہو اس لئے قرآن کہتا ہے کہ یہ تین اوقات تمہارے  
 پردے کے ہیں اور ان اوقات کے سوا دوسرے اوقاتوں میں گھروں میں  
 تمہارے مملوک غلاموں، لونڈیوں اور نابالغ بچوں کا بغیر اجازت داخل  
 ہونے اور آنے جانے میں نہ تمہارے لئے کوئی قباحت ہے اور نہ ان  
 کے لئے کوئی بری بات ہے اگر چہ وہ کسی نامناسب حالت میں کسی کو  
 کیوں نہ دیکھیں اس لئے کہ شریعت نے انہیں داخلہ کی اجازت دی  
 ہے۔“

ایک ضروری وضاحت : واضح رہے کہ حافظ ابن کثیر نے جو فرمایا  
 ہے کہ (ہذہ الآیات اشتملت علی استیذان الاقارب  
 بعضهم علی بعض) یہ آیات خویش و اقارب کا ایک دوسرے  
 کے گھر آنے جانے کے احکامات اور اجازت لینے یا نہ لینے کے مسائل پر  
 مشتمل ہیں تو یہاں اقارب سے ذی رحم مراد نہیں یعنی وہ رشتہ دار مراد  
 نہیں جن کا ایک دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں جیسے باپ، بیٹا  
 اور بھائی وغیرہ اس لئے کہ جن لوگوں کا یہاں آیات کریمہ میں ذکر ہو رہا

ہے یہ بنص قرآنی وہ لوگ ہیں جو مملوک ہیں غلام، لونڈیاں ہیں (بجز بچوں کے کہ وہ احرار ہیں) اور از روئے شریعت یہ ناممکن ہے کہ کوئی فرد آپکا مملوک بھی ہو اور ذی رحم بھی اس لئے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

من ملک ذارحم محرّم منہ عتق علیہ الحدیث  
”جو کوئی اپنے ذی رحم کا جوں ہی مالک ہوا وہ فوراً خود بخود آزاد ہو جاتا ہے۔“

لہذا مذکورہ قرابت سے یا تو مالک اور مملوک اور یا خادم اور مخدوم کی قرابت اور رشتہ ہی مراد ہوگا۔  
صاحب تفسیر مدارک لکھتے ہیں۔  
(لیستادنکم الذین ملکت ایمانکم) امر بان  
یستادن العبید و الاماء۔

(علی ہامش الخازن جلد ۲، صفحہ ۳۳۸)

اس میں یہ حکم ہے کہ غلام اور لونڈیاں مذکورہ تین اوقات میں اجازت لے کر داخل ہوں۔

اور علامہ صاحب تفسیر خازن نے (ملکت ایمانکم) کی تفسیر غلام اور لونڈی سے کی ہے ملاحظہ ہو (تفسیر خازن جلد ۳، صفحہ ۳۳۸)  
شیخ الاسلام رئیس المفسرین حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی



رحمہ اللہ مذکورہ آیات کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”یعنی اوقات مذکورہ بالا کو چھوڑ کر باقی جن اوقات میں عادتاً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں ان میں نابالغ لڑکوں یا لونڈی غلام کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسا پابند کرنے میں بہت تنگی اور کاروبار کا تعطل ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔“

(موضح القرآن علی بائش ترجمہ شیخ المنذر رحمہ اللہ فائدہ ۶ صفحہ ۳۳۸)

علامہ محمد علی الصابونی مذکورہ آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

الحکم الثانی: ما المراد بقوله (ملکت ایمانکم) فی الآیة الکریمہ؟

المراد به (العبيد والاماء) وظاهر قوله تعالى (الذين ملکت ایمانکم) ان الحکم خاص بالذکور سواء اکانوا کبار ام صغار او بهذا الظاهر قال ابن عمر و مجاهد رحمہ اللہ۔

والجمہور علی انه عام فی (الذکور والاناث) من الاماء الکبار منهم و الصغار و هو الصحیح الذی احتاره الطبری و جمہور المفسرین۔

قال ابن جریر الطبری و اولی القولین فی ذالک

عندی بالصواب قول من قال عنی به ”الذکور  
والاناث“ لان اللہ عم بقوله (الذین ملکتم ایمانکم)  
جميع املاک ایماننا و لم یخصص منهم ذکر او لا  
انثی فذالک علی جمیع من عمہ ظاہر التنزیل الخ

(تفسیر آیات الاحکام جلد ۲، صفحہ ۲۱۰ للصابونی)

**حکم ثانی:** آیت قرآنی (ملکت ایمانکم) سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد  
(غلام اور لونڈیاں) ہیں اگرچہ بظاہر اللہ تعالیٰ کا فرمان (الذین ملکتم  
ایمانکم) بتاتا ہے کہ یہ حکم مذکور غلاموں کے ساتھ خاص ہے خواہ وہ بالغ  
مرد ہوں یا نابالغ بچے اور ابن عمر اور مجاہد کا قول اور تفسیر بھی یہی ہے۔

مگر جمہور مفسرین کا موقف یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ عام ہے (غلام  
اور لونڈی) دونوں مراد ہیں خواہ وہ بالغ ہوں یا نابالغ اور یہی وہی صحیح  
تفسیر ہے جسے ابن جریر طبری اور جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے۔

ابن جریر طبری فرماتے ہیں میرے نزدیک دونوں تفسیروں میں اولی  
اور حق بجانب ان مفسرین کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ (ملکت ایمانکم)  
سے مراد (مرد غلام اور لونڈیاں) ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے (الذین  
ملکت ایمانکم) کا عام حکم نازل فرما کر ہمارے جملہ مذکور اور مونث مملوک  
کو شامل کیا مذکور اور مونث کی تخصیص نہیں کی لہذا یہ حکم اسی عموم پر  
ہونا چاہئے جس پر قرآن کے ظاہری الفاظ شاہد ہیں۔

(تفسیر آیات الاحکام تالیف محمد علی الصابونی استاد و مدرس کلیة الشرعية مكة)

## المکرمۃ

حاصل بحث: آیت مذکورہ خویش و اقارب کی اجازت لینے کیلئے مختص ہونے میں مفسرین کے اقوال نقل کرنے میں بظاہر میں نے غیر ضروری طوالت سے کام لیا مگر اس کی دو وجوہات ہیں۔

۱۔ ہمارے ماضی قریب کے بعض مشہور و معروف مفسرین نے مذکورہ آیات کریمہ کی تفسیر میں جمہور مفسرین کے مذکورہ ”راجح“ تفسیر کو چھوڑ کر (ملکت ایمانم) کی تفسیر کے عموم میں تخصیص کر کے اس سے صرف مونث لونڈیاں مراد لی ہیں یا غلاموں میں صرف نابالغ غلام مراد لئے ہیں رہی یہ بات کہ انہوں نے جمہور کے قول کا کیوں خلاف کیا بظاہر اس کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

۲۔ چونکہ مشترکہ خاندانی نظام میں غیر ذی رحم خویش و اقارب کے درمیان مسئلہ حجاب کا مذکورہ آیت استیذان ممالیک کے ساتھ گہرا تعلق ہے اس لئے اصل سوال کے جواب کے لئے گویا کہ یہ ایک مقدمہ اور تمہید ہے۔

## غلام یا لونڈیاں کون ہوتی ہیں؟

جاننا چاہئے کہ اسلام درحقیقت انسان پر انسان کی آقائی اور غلامی کے خلاف ہے اس لئے صرف ایک ہی صورت میں غلامی کی اجازت دے دی گئی ہے وہ یہ کہ کوئی کافر قوم اور قوت مسلمانوں کے ساتھ نبرد



آزمائی پر اتر آئے اور تلواری کی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہ سمجھے تو جہاد کے دوران جتنے جنگی قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آجائیں مسلم حکومت کو اختیار ہے چاہے ان کے ذریعے مسلمان قیدیوں کا تبادلہ کرے چاہے ان پر احسان کر کے یوں ہی رہا کر دے یا ان سے فدیہ اور مالی معاوضہ لے کر آزاد کرے اور اگر چاہے تو انہیں غلام اور کنیز بنا کر مجاہدین میں تقسیم کرے اس میں یہ حکمت ہے کہ یہ قیدی مسلمانوں میں رہ کر مسلمانوں کی رواداری، حسن سلوک اور اعلیٰ اخلاق قریب سے دیکھ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کافروں کا پرو پیگنڈہ اور ان کی بہتان تراشی ان پر واضح ہو جائے اور دین اسلام کی حقانیت ان پر کھل کر برضا و رغبت مسلمان ہو جائیں اور تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے۔

اس تفصیل سے اتنی بات ظاہر ہو گئی کہ مملوک غلاموں کا مسلمانوں کے ساتھ نہ تو خون کا رشتہ ہوتا ہے نہ قومیت کا اور نہ ہی محبت، احسان اور ہمدردی کا تعلق ہو سکتا ہے اس لئے کہ ان غلاموں کے عزیز و اقارب ان مسلمان آقاؤں کی ہاتھوں شکست کھا گئے ہیں قتل ہوئے ہیں ان کا جان و مال تباہ ہوا اور نام و ناموس غارت ہو چکا وہ خود ذلیل ہو کر قید ہیں اس کے باوجود قرآن انہیں مسلمان آقاؤں کے گھروں میں عموماً ہر وقت بلا روک ٹوک آنے جانے کی اجازت دیتا ہے جس کے نتیجے میں یقیناً پردہ نشین عورتوں کے حجاب میں خلل واقع ہوتا ہے

کیونکہ گھروں کے اندر عورتیں وہی حجاب ملحوظ رکھتی ہیں جس کا اپنے محرم رشتہ داروں مثلاً باپ، بیٹوں، بھائیوں وغیرہ کے سامنے خیال رکھا جاتا ہے۔ تو غلاموں سے حجاب کے احکامات میں یہ نرمی کیوں اور کس علت کی وجہ سے ہے؟

## غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق

### پردے میں تخفیف کی علت

جاننا چاہئے کہ یہاں دو مسئلے ہیں پہلا مسئلہ مطلق غلام کے متعلق ہے خواہ وہ اپنا مملوک ہو یا کسی غیر کا۔

اور دوسرا مسئلہ خاص اپنے مملوک کے بارے میں ہے جہاں تک غیر کے غلاموں کا حکم ہے تو یہ مسلمانوں عورتوں کے حق میں اجنبی مردوں کے حکم میں ہیں ان سے شرعی پردہ لازم ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ یہ غلام کسی مسلمان عورت کا محرم ہو۔

اور جہاں تک اپنے مملوک غلام کا تعلق ہے تو اس میں صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کسی عورت کا مملوک غلام اس کے لئے شرعی پردے کے لحاظ سے محرم کے حکم میں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک غلام اپنے مالکن کے لئے محرم ہے

نہیں تاہم اس سے سر کے بال چھپانا ضروری نہیں۔  
 امام ابو حنیفہ، امام احمد حنبل اور امام شافعی رحمہم اللہ کے ایک قول  
 کے مطابق عورت کا اپنا غلام بھی اجنبی مرد کے حکم میں ہے جس سے  
 شرعی پردہ لازم ہے۔

یہ تو نفس حجاب کا مسئلہ ہے مگر یہ حکم تب ہے کہ عورت کے لئے  
 مکمل شرعی حجاب کی پابندی کرنے میں مشقت اور دشواری کا سامنا نہ کرنا  
 پڑے اگر اس سے تکلیف اور دشواری پیش آرہی ہو تو اسی دشواری کی  
 مناسبت سے حجاب میں بھی تخفیف پیدا ہوگی اور جزوی حجاب کی پابندی  
 کرنے کی شرعی رخصت آجائگی۔

اس عارضی علت تخفیف کے وجود کے بعد اب اصل مذہب اور  
 شریعت کے اصل حکم پر عمل کرنے یا فتویٰ دینے کی بجائے اس دوسرے  
 اصل اور قاعدہ پر فتویٰ دیا جائے گا جس کا ذکر اسی رسالہ کی تمہید میں  
 نمبر وار مادوں کی صورت میں تفصیلاً ہو چکا ہے۔

## آیت استیذان کی تشریح

قوله تعالى: لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَ

الَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ الْآيَةُ ☆

”چاہئے کہ تمہارے مملوک (غلام اور لونڈیاں بالغ ہوں یا



تمہارے گھروں کے اندر جانے کے لئے تین اوقات (نماز فجر سے پہلے دوپہر کے وقت اور نماز عشاء کے بعد) میں ضرور تم سے اجازت لیا کریں۔

قوله تعالى: ثلث عورات لكم الآية ☆  
یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں۔

قوله تعالى: ليس عليكم ولا عليهم جناح بعدهن طوافون عليكم بعضكم على بعض الآية ☆

”ان (اوقات) کے بعد (دوسری اوقات میں بغیر اطلاع دئے انہیں تمہارے گھروں میں آنے جانے کی اجازت ہے اس لئے) نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی الزام ہے (اس اجازت کی علت یہ ہے کہ) تم آپس میں ایک دوسرے کے پاس بار بار آتے جاتے ہو۔

اس رخصت اور اس کی علت کے متعلق جمہور مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

امام المفسرین مفتی بغداد علامہ آلوسی رحمہ اللہ (طوافون) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

والجملة استئناف ببيان العذر المرخص في ترك الاستئذان و هو المخالطة الضرورية و كثرة المداخلة و فيه دليل على تعليل الاحكام الشرعية

الخ-

(روح المعانی جلد ۱۰، جزء ۱۸، صفحہ ۲۱۵)

”طوافون ایک مستقل جملہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ غلاموں وغیرہ کو بغیر اطلاع دئے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت اس لئے دی گئی کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط اور میل ملاپ کے محتاج ہو اور ایک دوسرے کے گھروں میں خدمت لینے اور خدمت کرنے کی غرض سے بکثرت آتے جاتے ہو اور اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت کے احکامات علت کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔“  
علامہ شوکانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتا ہے۔

ومعنی طوافون علیکم ای یطوفون علیکم  
ومنه الحدیث فی الہرة (انما ہی من الطوافین علیکم  
او الطوافات) ای وہم خدمکم فلا باس بان یدخلوا  
علیکم فی غیر ہذہ الاوقات بغیر اذن الخ  
(تفسیر فتح القدیر جلد ۲، صفحہ ۵۰)

طوافون علیکم کا معنی ہے کہ یہ غلام تمہاری گھروں میں ہر وقت آتے جاتے ہیں اور اسی بنا پر حضور علیہ السلام نے بلی کے بارے میں فرمایا ہے کہ (بلی ان حیوانات میں سے ہے جو تمہارے گھروں میں بار بار آتی جاتی ہے) یعنی تمہارے غلام وغیرہ تمہارے خدمتگار ہیں اس

لئے ان کے لئے تمہارے گھروں میں اطلاع دئے بغیر داخل ہونا جائز ہے  
بجز مذکورہ تین اوقات کے۔“

بلی کا گوشت نجس ہے: چونکہ آیت مذکورہ (طوافون) کی تفسیر  
میں مفسرین بلی کے بارے میں وارد شدہ حدیث کا حوالہ دیتے ہیں اس  
لئے مناسب ہو گا کہ بلی کے متعلق اصل مسئلہ کی وضاحت کی جائے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بلی کا گوشت نجس ہے اور حنفی  
مذہب کے اصول کی رو سے جس حیوان کا گوشت نجس ہو اس کی جملہ  
رطوبات بھی نجس ہوتی ہیں حتیٰ کہ اس کا لعاب دہن اور اس کا جوٹا بھی  
پلید ہوتا ہے لہذا اس لحاظ سے بلی جس پانی وغیرہ میں سے پی لے تو بقیہ  
پانی پلید ہو جانا چاہئے مگر چونکہ بلیاں ہر وقت گھروں میں گھومتی پھرتی  
ہیں اور ان سے کھانے پینے کی برتنوں کی حفاظت کرنے میں دشواری اور  
تکلیف ہوتی ہے اس لئے شریعت نے اس کے منہ کی رطوبت کی  
نجاست کو کالعدم قرار دے دیا لہذا جس پانی وغیرہ میں بلی منہ ڈالے وہ  
پلید نہیں پاک ہے البتہ مکروہ تنزیہی ہے عظیم فقیہ اور محدث ابن الہمام  
الحنفی رحمہ اللہ اپنی شاہکار تالیف فتح القدر میں لکھتے ہیں۔

لان النزاع لیس فی النجاسة للاتفاق علی  
سقوطها بعلی الطواف المنصوصة فی قوله انها من  
الطوافین علیکم و الطوافات یعنی انها تدخل



المضائق ولازمة شدة المخالطة بحيث يتعذر معه  
صون الاواني منها بل النفس والضرورة اللازمة من  
ذالك اسقطت النجاسة كما انه سبحانه و تعالى اوجب  
الاستئذان و اسقطه عن المملوكين و الذين لم يبلغوا  
الحلم اى عن اهلهم فى تمكينهم من الدخول فى  
غير الاوقات الثلاثة بغير اذن للطواف المفاد بقوله  
تعالى عقيبہ (طوافون عليكم بعضكم على بعض)  
(فتح القدير جلد ۱ صفحہ ۷۷)

”بلی کے جوئے میں ائمہ کا جو اختلاف ہے وہ نجاست اور پلید  
ہونے میں نہیں اس لئے کہ اس پر اتفاق ہے کہ اس کی نجاست ساقط  
ہے اس علت کی وجہ سے کہ بلی گھروں میں بار بار آتی جاتی ہے جس  
کے متعلق حدیث شریف میں تصریح ہے کہ بلی ان حیوانات میں سے  
ہے جو گھروں میں بار بار آتے جاتے ہیں یعنی بلی تنگ راستوں میں داخل  
ہوتی ہے اور لوگوں سے اتنی احتیاط رکھتی ہے کہ ان سے برتن بچانا تو  
کیا اپنے آپ کو بچانا دشوار ہوتا ہے اور اسی ضرورت اور دشواری نے  
اس کی نجاست ساقط کر دی جیسے اللہ تعالیٰ نے واجب کیا کہ اگر کوئی مملوک  
مرد غلام کسی کے گھر میں اوقات ثلاثہ کے علاوہ بغیر اجازت داخل ہو جائے تو  
تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں اس لئے کہ تم بار بار ایک دوسرے

کے پاس آتے جاتے ہو۔“

علامہ الشیخ ملا بیون رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں۔

(طوافون علیکم بعضکم علی بعض) استیناف  
لبیان العذر المرخص فی ترک الاستینان و هو  
المخالطة و كثرة المداخلة ای ہم طوافون علیکم  
بحوائج البيت بعضکم طائف علی بعض یعنی ان  
لکم و لهم حاجة الی المخالطة و المداخلة يطوفون  
علیکم للخدمة و تطوفون علیہم للاستخدام فلو  
جزم الامر بالاستینان فی کل وقت لافضی الی  
الحرج و هو مرفوع فی الشرع بالنص علی ما فی  
المدارک ثم الممالیک لا یحتاجون فی الاستینان الا  
فی الاوقات الثلاثة الخ۔“

(التفسیرات الاحمدیہ صفحہ ۵۷۴)

”طوافون کا جملہ از سر نو مستقل جملہ ہے جو اس عذر کے بیان کے  
لئے ہے جس کے سبب مملوک غلاموں کو بغیر اطلاع دئے گھروں کے  
اندر جانے کی اجازت دے دی گئی ہے اور وہ عذر ان کے درمیان اختلاط  
اور ایک دوسرے کے گھروں میں بکثرت آنا جانا ہے یعنی یہ ممالیک  
تمہارے گھریلو ضروریات کے لئے آتے جاتے ہیں اور تمہیں ایک

دوسرے کے ساتھ میل ملاپ رکھنے کی حاجت پیش آتی رہتی ہے یہ لوگ تمہارے پاس خدمت کے لئے آتے ہیں اور تم لوگ ان کے پاس خدمت کے مطالبہ کے لئے جاتے تو اگر ہر وقت اور ہر مرتبہ اجازت لینا ضروری قرار دیا جائے تو اس کا انجام دشواری اور تکلیف ہی ہوگا حالانکہ مشقت اور دشواری شریعت میں اٹھا دی گئی ہے جس کی شریعت نے صراحت کر دی ہے جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے پس مملوک غلاموں کو مذکورہ تین اوقات کے علاوہ اجازت لینے کی حاجت نہیں۔“

نیز ملاحظہ فرمائیں تفسیر مدارک (علی ہامش الخازن جلد ۳، صفحہ ۳۳۸) اور تفسیر الخازن (جلد ۳، صفحہ ۳۳۸)

علاوہ ازیں شیخ الاسلام رئیس المفسرین حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یعنی اوقات مذکورہ بالا چھوڑ کر باقی جن اوقات میں عادتاً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں ان میں نابالغ لڑکوں یا لونڈی غلام کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسا پابندی کرنے میں بہت تنگی اور کاروبار کا تعطل ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

(شرح القرآن علی ہامش ترجمہ شیخ الحدیث رحمہ اللہ فائدہ ۶ صفحہ ۳۳۸)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔



و لانهم طوافون عليكم اى فى الخدمة و غير  
ذالك و يغتفر فى الطوافين مالا يغتفر فى غيرهم و  
لهذا روى مالك و احمد بن حنبل رحمهما الله و اهل  
السنن ان النبى ﷺ قال فى الهرة "انها ليست  
بنجسة انها من الطوافين عليكم" -

(تفسير ابن كثير جلد ۲ صفحہ ۴۹۹)

"يعنى چونکہ یہ لوگ خدمت و غیرہ کے لئے گھروں میں بار بار  
آتے جاتے ہیں اور بار بار آنے جانے والوں کے بارے میں وہ تساہل  
برتی جاتی ہے جو اوروں کے بارے میں نہیں برتی جاتی اور اسی لئے امام  
مالک، امام احمد بن حنبل اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے کہ حضور  
علیہ السلام نے فرمایا کہ بلی نجس نہیں اس لئے کہ وہ گھروں میں بار بار  
آتی جاتی ہے" -

## لونڈی کا شرعی پردہ

گذشتہ بحث میں اصل مقصود غلاموں سے اپنے مالکان کے گھروں میں پردہ نشین عورتوں کے حجاب کا مسئلہ تھا اصل میں تو غلاموں سے حجاب لازم ہے مگر بار بار آنے جانے کی وجہ سے بلا اذن شرعی اجازت، حاجت اور دشواری کے پیش نظر دی گئی اور بتایا گیا کہ غلاموں کیلئے مذکورہ تین اوقات کے سوا ہر وقت اطلاع دئے بغیر گھر میں داخل ہونے کی اجازت ہے حالانکہ گھروں کے اندر عورتوں کا وہی لباس اور پردہ ہوتا ہے جو وہ عموماً اپنے محارم کے سامنے عادتاً اختیار کرتی ہے۔

اب کنیز اور لونڈی کے بارے میں کچھ معروضات مذہب حنفی کی رو سے پیش خدمت ہیں۔

لونڈی کا حجاب عام لوگوں کے لئے ان کے محارم (ماں، بہن، بیٹی وغیرہ) جیسے ہوتی ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ سے ہیں۔

(و حکم آمة الغیر کذا لک فی نظر الیہا  
کمحرمة) لانہا تخرج لحوائج مولاہا و تخدم  
اضیافہ و ہی فی ثیاب مہنتہا فصار حالہا خارج  
لبیت فی حق الاجانب کحال المرأة الداخلة فی حق  
المحارم الخ

(شامی جلد ۵، صفحہ ۲۵۹)

”کسی دوسرے مسلمان کی لونڈی کا حکم اپنے محارم جیسے ہے اس لئے کہ وہ اپنے آقا کی خدمت کے لئے گھر سے نکلتی ہے اور اپنے آقا کے مہمانوں کی خدمت پر مامور ہوتی ہے حالانکہ وہ اس وقت محنت و مزدوری کے لباس میں ہوتی ہے اس لئے بیرون خانہ اجنبی لوگوں کے سامنے اس کی حالت ایسی ہوگئی جیسے اندرون خانہ کسی عورت کا اپنے محرم مردوں کے سامنے۔“

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں۔

ولان الامۃ تحتاج الی الخروج لحوائج مولاہا و  
انما تخرج فی ثیاب مہنتها و حالها مع جمیع  
الرجال فی معنی البلوی بالنظر والمس کحال  
الرجل فی ذوات محارمہ الخ

(مبسوط جلد ۱۰، صفحہ ۱۵۱)

”چونکہ لونڈی اپنے مولا کے ضروری خدمات کی بجا آوری کے لئے گھر سے باہر نکلنے کے لئے محتاج ہوتی ہے اور وہ اس وقت کام کاج کرنے کی لباس میں ہوتی ہے اس عام احتیاج کے پیش نظر اس پر اجنبی مرد کی نظر لگنے اور دیکھنے یا چونے کے احکامات میں وہ ہر کسی کے لئے اس کے محرم کے حکم میں ہوگی۔“



حاصل کلام: اس میں شک نہیں کہ لونڈی محل شہوت و فساد ہوتی ہے اس میں حسن و جمال اور جاذبیت کے جملہ مواقع بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں بلکہ حرار اور آزاد عورتوں کی بہ نسبت لونڈیوں کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرنے میں بد فطرت لوگ زیادہ جری اور بے باک ہوتے ہیں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان کے کام کاج، محنت اور مشقت کے پیش نظر شریعت نے لونڈی پر حجاب کے مسئلہ میں محارم سے حجاب کی طرح انتہائی تخفیف کردی اور اگر ہم غور کریں تو علت تقریباً وہی ہے جو غلاموں سے حجاب کے مسئلہ میں قرآن نے ذکر کیا ہے۔

## کسی مرد کے لئے جائز نہیں کہ اپنی بیوی اور اپنی لونڈی کے سوا کسی دوسری عورت کو شہوت کی نگاہ سے دیکھے

یاد رہے کہ شہوت کی نگاہ سے صرف شوہر اپنی بیوی یا مولا اپنی لونڈی کو دیکھنے کا مجاز ہے بلکہ اس میں ثواب بھی ہے اس کے علاوہ کسی مرد کا کسی بھی عورت کو شہوت کی نظر سے دیکھنا جائز نہیں خواہ وہ کسی کی ماں، بہن اور بیٹی ہی کیوں نہ ہو اس لئے زیر بحث مسئلہ میں وہی

دیکھنا مراد ہے جس میں شہوت کا شائبہ نہ ہو لیکن مذکورہ صورت میں بھی کسی اجنبی مرد کے لئے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام کسی عورت کو خواہ آزاد ہو یا لونڈی بغیر ضرورت اور احتیاج کے قصداً دیکھنا جائز نہیں البتہ اگر ذی رحم محرم ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر احتیاج اور عموم بلوی کی صورت ہو جیسا کہ غلاموں کا گھروں میں بار بار آنا جانا، لونڈیوں کا گھروں سے باہر کام کاج اور محنت و مزدوری کے لئے نکلنا تو یہ الگ مسئلہ ہے ایسی مجبوری کی بنا پر شریعت نے پردے کے احکامات میں رخصت دی ہے جو پچھلے صفحات میں قرآن و سنت اور مفسرین و فقہاء مذہب کے قواعد و اصول اور جزئیات میں تفصیل کے ساتھ گزری۔

آدم بر سر مطلب

کسی آزاد مرد اور عورت کا غلاموں اور لونڈیوں  
کی طرح کسی گھر میں بار بار داخلہ شریعت

کی نگاہ میں

جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ آج کل نہ کوئی غلام ہے اور نہ لونڈی اور نہ ہی ان کے مسائل کے تعلیم و تعلم کی ضرورت رہی ہے میں نے ان کے متعلق مسئلہ حجاب کو جس تفصیل سے عرض کیا اس سے

درحقیقت یہ بتانا مقصود ہے کہ مسئلہ حجاب میں جس دشواری اور ضرورت کی علت کے پیش نظر شریعت نے جو رخصت اور آسانی پیدا کی ہے اگر وہی دشواری اور علت کہیں اور بھی درپیش ہو تو حجاب کے بارے میں ایسی رخصت اور آسانی پر عمل کیا جائیگا جیسا کہ ائمہ مذہب اور فقہاء عظام نے اس کی تصریح کی ہے۔

اور رسالہ ہذا کے تمہید میں ”اصل دوم“ میں جو نصوص اور قواعد بطور نمونہ ذکر کئے جا چکے ہیں وہ اس بات کے ثبوت کے لئے واضح اور ناقابل انکار دلائل ہیں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں۔

(قوله اذ آجرت نفسها للخبز) ای و نحوه من الطبخ و غسل الثياب قال الاتقانی و عن ابی یوسف رحمہ اللہ انه یباح النظر الی ساعدها و مرفقها للحاجة الی ابدائهما اذا آجرت نفسها للطبخ و الخبز اه و المتبادر من هذه العبارة ان جواز النظر لیس خاصا بوقت الاشغال بهذه الاشياء بالاجارة بخلاف العبارة الاولى و عبارة الزیلعی اوفی بالمراد وہی و عن ابی یوسف انه یباح النظر الی ذراعها ایضا لانه یبدوا منها عادة الخ



(شامی جلد ۵ صفحہ ۲۶۱)

”جب کوئی آزاد عورت اجرت کے بدلے کسی کے لئے کھانا پکانے یا کپڑے دھونے کی مزدوری کرے تو جناب اتقانی کہتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایسی مزدور کار عورت کے ہاتھ کہنیوں تک حجاب سے مستثنیٰ ہیں یعنی ان کی طرف حاجت کی وجہ سے دیکھنا جائز ہے اس لئے کہ جب اس نے کھانا پکانے اور کپڑے دھونے کی مزدوری کرنی ہے تو کہنیوں تک ہاتھ اور بازو کھولنے اور ظاہر کرنے کے بغیر اس کے لئے چارہ کار ہی نہیں بظاہر اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایسی مزدور پیشہ ور عورت کے بازو پردہ سے مستثنیٰ ہونے اور ان کی طرف دیکھنے کا جواز عین دوران مزدوری کے ساتھ خاص نہیں بخلاف سابقہ عبارت کے اور زلیعی کی عبارت اس مفہوم کے ادا کرنے میں اور بھی واضح ہے وہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مزدور پیشہ عورت کے ہاتھوں کا کہنیوں تک دیکھنا جائز ہے کیونکہ عام طور پر اس کے بازو کھلے رہتے ہیں۔

ہدایہ میں ہے۔

و عن ابی یوسف رحمہ اللہ انه یباح النظر الی ذراعها ایضا لانه قد یبدو امنها عادة الخ

(ہدایہ فصل فی اللمس والنظر کتاب الکراہیۃ )

”امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عورت کے بازو تک دیکھنا جائز ہے اس لئے کہ یہ عموماً اور عاداتاً ظاہر ہو جاتے ہیں۔“  
علامہ سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

و روى الحسن بن زياد عن ابى حنيفة رحمه الله  
انه يباح النظر الى قدمها ايضا و هكذا ذكر الطحاوى  
رحمه الله لانها كما تبلى بابداء وجهها فى المعاملة  
مع الرجال و بابداء كفيها فى الاخذ و الاعطاء تبلى  
بابداء قدميها اذا مشت حافية او متنعلة و ربما لا تجد  
الخف فى كل وقت و ذكر فى جامع البرامكة عن  
ابى يوسف رحمه الله انه يباح النظر الى ذراعيها ايضا  
و هذا كله اذا لم يكن النظر عن شهوة الخ-

(مبسوط جلد ۱۰، صفحہ ۱۵۳)

”حضرت حسن ابن زیاد حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اجنبی مرد کے لئے عورت کے قدموں (ٹخنوں سے نیچے پاؤں) کا دیکھنا جائز ہے اور ایسا ہی حضرت طحاوی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے اس لئے کہ جیسے عورت کو لوگوں کے ساتھ لین دین (خرید و فروخت وغیرہ) کرتے وقت چہرہ ظاہر کرنے کی حاجت پیش آتی ہے اور لیتے دیتے وقت ہاتھ ظاہر کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے ایسا ہی پیدل آنے جانے

میں بھی قدم ظاہر کرنے کے بغیر چارہ کار نہیں اور بسا اوقات اسے جوتے، موزے اور جرابیں پہننے کی دسترس حاصل نہیں ہوتی۔“

اور ”جامع برامکہ“ میں امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ عورت کے بازو کو دیکھنا بھی جائز ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ شہوت کی نظر سے نہ ہو۔“

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

”وقرن فی بیوتکن“ اور آیت ”وإذا سئلتموهن“ سے عورتوں پر استتار اشخاص کا واجب کیا گیا اور اصل حکم اور عزیمت یہی ہے لیکن خروج عن البیت کی بھی حاجت واقع ہوتی ہے ایسی حالت میں ”یدنین علیہن من جلابیبہن“ سے اظہار اشخاص میں رخصت دی گئی اور استتار ابدان کو واجب فرمایا گیا پھر کبھی گھر سے باہر بعض کو جن کے پاس خادم نہ ہوں بعضے ایسے کاموں کی ضرورت واقع ہو جاتی ہے جو ہاتھ سے کئے جاتے ہیں اور اس لئے ہاتھ کا استتار موجب حرج ہوتا ہے اور کام کرنے کے وقت اس کام کے دیکھنے کی بھی حاجت ہوتی ہے اور گھونگٹ سے منہ چھپانے میں وہ گھونگٹ دیکھنے میں حائل ہو جاتا ہے اور اس لئے چہرہ کا استتار بھی موجب حرج ہوتا ہے ایسی حالت میں ”الاما ظہر منها“ سے بنا بر تفسیر مشہور صرف اظہار وجہ و کفین کی رخصت دی گئی الخ۔“



(بوادر النوار صفحہ ۵۱۲)

تنبیہ : یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں کہیں فقہاء نے احتیاج کے پیش نظر عورت سے منہ، ہاتھ، پاؤں اور بازوؤں کے چھپانے کا وجوب سناقت قرار دیا ہے یا جہاں کہیں فقہاء نے لکھا ہے کہ احتیاج کے پیش نظر مذکورہ اعضاء کی طرف دیکھنا جائز ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مرد کے لئے بلا ضرورت ان کی طرف دیکھنا جائز ہے بلکہ ایسی حالت میں مرد کو اپنی نگاہ نیچی رکھنے کا مستقل قرآنی حکم ہے۔

## مشترکہ خاندانی نظام میں حجاب کے مسئلے کے

### متعلق اصل سوال کا جواب

اصل حکم اور مسئلہ تو یہی ہے کہ بھائی، چچا، بھتیجے اور بھانجے کی بیویاں، یا چچا زاد بہن بھائی محارم کے زمرے میں نہیں ہیں مگر جہاں کہیں یہ عزیز و اقارب ایک ہی گھر میں رہ رہے ہوں خواہ کسی مصلحت کے تقاضے کے بنا پر یا زمین کی کمی اور غربت کے سبب یا رسم و رواج کی وجہ سے جیسے پٹھانوں میں سب بھائی اور بھتیجے وغیرہ ایک ساتھ رہتے ہیں علاوہ ازیں قبائل بلکہ تمام دیہاتی علاقوں میں گھریلو کام کاج اور گھر سے باہر چھوٹے موٹے کاموں کے لئے مرد یا عورت خدمت کے لئے نہیں رکھے جاتے بلکہ یہ سب کام عورتیں خود کرتی رہتی ہیں جس کی بنیادی

وجہ غریب ہوتی ہے۔

پھر یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ پشتون قوم کی پشتونوالی (رسم و رواج) میں ایک گھر کے اندر رہنے والے خونی رشتوں میں منسلک مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کو شہوت کی نگاہ سے دیکھنے کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا اور یہی وجہ ہے کہ مذکورہ خویش و اقارب میں کسی ایسی بد عملی کا پورے معاشرے میں شاید ہی کوئی مثال پیش کر سکے۔

پٹھان لوگ عورت کے بارے میں غیر ضروری حساس ہیں یہاں تک کہ محض شک و شبہ کی بنیاد پر ناحق قتل سے گریز نہیں کرتے تو چونکہ ایسے خاندانی نظام اور اس طرز کی بود و باش میں پردے کی علت یعنی انسداد زنا اور فحش (جس کی تفصیل قاعدہ اول میں قاری محمد طیب صاحب مہتمم دیوبند کے حوالہ سے گذری ہے) کا عدم اور برائے نام ہے تو پردہ بھی اجنبی مردوں والا جیسا نہیں رہے گا بلکہ قریب قریب ویسا ہی پردہ لازم ہوگا جو پٹھانوں کے رسم و رواج میں اپنے محارم یعنی بہن بھائیوں وغیرہ کا آپس میں عاداتاً ہوتا ہے یعنی چہرہ ہاتھ پاؤں کا ظاہر رکھنا یا چہرہ ظاہر رکھنے کے ساتھ "تبعاً" سر کے کچھ بال یا کان ظاہر ہو جانا۔

دوسری علت جو پردے کے اصل احکامات میں سبب رخصت ہے وہ حرج اور تکلیف ہے جہاں کہیں مکمل شرعی پردہ اختیار کرنے میں دشواری کا سامنا ہو وہاں خود بخود پردے کی احکامات میں تخفیف آجاتی

ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا تو چونکہ پشتون قوم کے مشترکہ بود و باش میں مکمل شرعی پردہ لازم کرنے میں بہت ہی دشواری اور حرج ہے لہذا اس علت کے پیش نظر پردہ کے معاملے میں وہی رخصت ہوگی جو غلاموں میں قرآن کریم نے دے رکھی ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ مشترکہ بود و باش کے بارے میں لکھتے ہیں۔

و مفہومہ ان من کانت من ذوات الاعسار یکفیہا بیت واحد و لو مع احمائها و ضررتها کاکثر الاعراب و اهل القرى و فقراء المدن الذین یسکنون فی الاحواش و الربوع و ہذا التفصیل ہو الموافق لما مر من ان المسکن یعتبر بقدر حالہما و لقولہ تعالیٰ (اسکنوہن من حیث سکنتم من و جدکم) و ینبغی اعتمادہ فی زماننا ہذا فقد مر ان الطعام و الکسوة یختلفان باختلاف الزمان و المكان و اهل بلادنا الشامیة لا یسکنون فی بیت من دار مشتملة علی اجانب و ہذا فی اوساطہم فضلا عن اشرفہم الا ان تکون دارا موروثہ بین اخوة مثلا فیسکن کل منہم فی جہة منہما مع الاشتراک فی مرافقہا الخ۔

(شامی جلد ۲، صفحہ ۷۲۱)



حاصل کلام یہ ہے کہ غریب طبقہ سے تعلق رکھنے والے خواتین کے لئے بڑے مکان میں سے صرف ایک الگ کمرہ کافی ہے اگرچہ اس بڑے مکان کے دیگر کمروں میں خاوند کی دوسری بیوی یا خاوند کے بھائی وغیرہ بھی رہتے ہوں جیسے عام قبائل دیہاتی اور شہروں کے غریب لوگ ایک مکان میں اجتماعی رہائش اختیار کرتے ہیں یعنی ایک مکان کے اندر الگ الگ کمروں میں رہنے کے باوجود ان کا صحن اور آنے جانے کا بڑا دروازہ، پانی بھرنا اور کچھ دیگر اشیاء مشترک ہوتی ہیں اور یہی تفصیل عورت کے نان و نفقہ اور رہائش گاہ کے متعلق گذشتہ بیان کے موافق ہے کہ عورت کے لئے ایسی رہائش گاہ زوج کے ذمہ لازم ہے جو میاں بیوی کے احوال کے مطابق ہو اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اپنے بیویوں کی سکونت کے لئے ایسی رہائش گاہ مہیا کرتے رہو جو تمہاری حیثیت اور استطاعت کے مطابق ہو) اور چاہئے کہ ہمارے زمانہ میں اسی پر اعتماد کیا جائے اس لئے کہ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ عورت کے نان و نفقہ اور دیگر مسائل وقت اور علاقے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں متوسط گھرانوں مثلاً ہمارے ملک شام کے علاقے کے لوگوں کے متوسط گھرانوں کے لوگ بھی ایسے اجتماعی مکانات میں نہیں رہتے جن میں اجنبی یعنی عورتوں کے ناحرم لوگ بھی رہتے ہوں چہ جائے کہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ ہاں اگر چند بھائیوں کے لئے باپ سے

میراث میں ایک مکان ملا ہو تو وہ سب بھائی اسی ایک مکان میں مشترکہ طور پر رہتے ہیں مگر ان کے رہنے کے کمرے الگ الگ ہوتے ہیں۔ تاہم ان کے مرافق یعنی آنے جانے کا راستہ، صحن، پانی بھرنے، کپڑے اور برتن دھونے کوڑا کرکٹ پھینکنے جیسی ضروریات کی تکمیل کے ذرائع مشترک ہوتے ہیں۔

(شامی جلد ۲، صفحہ ۷۲۱)

کراچی کے مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کئی بھائی یا بہت سے رشتہ دار ایک ساتھ ایک ہی مکان میں رہتے ہیں الگ مکان لینے کی گنجائش نہیں اس لئے پردہ مشکل ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرعی پردہ کے لئے الگ مکان لینے کی کوئی ضرورت نہیں شریعت آسان ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندوں پر بہت وسیع ہے وہ بندوں کو تکلیف اور تنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتے بلکہ راحت و سہولت میں رکھنا چاہتے ہیں شرعی پردہ کے بارے میں ان کی دی ہوئی سہولتوں اور کرم نوازی کی تفصیل سنیں رحمت ہی رحمت ہے، رحمت ہی رحمت، سراپا رحمت، اگر کسی دل میں ذرہ بھر بھی احساس ہو تو اس رحیم و کریم کی مہربانیوں، کرم نوازیوں اور احکام میں دی ہوئی سہولتوں پر قربان ہو جانے اور مرٹنے کے لئے بے تاب ہو جائے یا اللہ! تو

ہم سب کے دلوں کو احساس اور اپنی ایسی محبت سے منور فرما ہمارے  
دلوں کو شکر نعمت سے معمور فرما۔  
علامہ آگے لکھتے ہیں۔

۱۔ ایسے حالات میں خواتین ذرا ہوشیار رہیں بے پردگی کے موقع سے حتی  
الامکان بچیں لباس میں احتیاط رکھیں بالخصوص سر پر دوپٹہ رکھنے کا اہتمام  
رکھیں۔

۲۔ مرد آمد و رفت کے وقت ذرا کھنکار کر خواتین کو پردہ کی طرف متوجہ  
کردیں۔

۳۔ غیر محرم مرد کی آمد پر خواتین اپنا رخ دوسری جانب کر لیں۔  
۴۔ اگر رخ دوسری جانب نہ کر سکتی ہوں تو سر سے دوپٹہ سر کا کچھ چہرہ پر  
لٹکالیں۔

۵۔ بلا ضرورت شدیدہ غیر محرم سے بات نہ کریں۔  
۶۔ کسی غیر محرم کی موجودگی میں خواتین آپس میں یا اپنے محارم کے  
ساتھ بے حجابانہ بے تکلفی کی باتوں اور ہنسی مذاق سے پرہیز کریں۔  
۷۔ ان احتیاطوں کے باوجود اگر کبھی اچانک کسی غیر محرم کی نظر پڑ جائے  
تو معاف ہے بلکہ اس طرح بار بار بھی نظر پڑتی رہے ہزار بار اچانک سامنا  
ہو جائے تو بھی معاف ہے کوئی گناہ نہیں اس سے پریشان نہ ہوں جو کچھ  
اپنے اختیار میں ہے اس میں ہرگز غفلت نہ کریں اور جو اختیار سے باہر



ہے اس سے پریشان نہ ہوں اس لئے کہ اس پر کوئی گرفت نہیں ہزار بار بھی غیر اختیاری طور پر ہو جائے جب بھی معاف ہے وہاں تو معافی ہی معافی ہے۔

(شرعی پردہ پر قرآنی احکام کی مدلل اور سیر حاصل تفصیل صفحہ ۷۵ تا ۷۶ دارالافتاء و

الارشاد ناظم آباد کراچی تالیف مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی)

## قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے دقت تحقیق کا خلاصہ دوبارہ ملاحظہ ہو۔

قاری صاحب نے اپنی تالیف (شرعی پردہ) میں پردے کے مسائل اس کی علت اور پردے کے بارے میں عورتوں کے انواع اور پردے کے اقسام پر جو عالمانہ اور حکیمانہ بحث کی ہے وہ قابل دید ہے قاری صاحب کی تحریر کے کچھ اقتباسات رسالہ ہذا کی ابتدا میں آپ پڑھ چکے ہیں یہاں پھر موصوف کے تالیف سے چند اقتباسات بطور خلاصہ پیش خدمت ہیں۔

۱- پردہ خود اصل نہیں بلکہ اپنی بنیادی علت کے تابع ہے مقصود اصلی اسی علت کا دفعیہ ہے جس کا نام فحش ہے اور جس کا آخری کنارہ زنا ہے۔

۲- پردہ فی نفسہ بھی مطلوب نہیں اور مطلقاً عورت کی ذات سے بھی

نہیں ورنہ عورت کی اتنی نوعیں محرمہ (ماں و غیرہ) صغیرہ (معصوم بچی) بھوزہ (بوڑھی کبوتری) ملازمہ (نوکرانی) بدویہ (دیہاتی مزدور پیشہ) باندی اور مبعوثہ وغیرہ نہ ہوتیں۔ (قیامت کے دن عورتیں مرد ننگے اٹھیں گے اس لئے کہ وہاں فحش و بد نظری کا شائبہ نہ ہوگا حالانکہ جو کچھ قبیح لذات اور ممنوع لذات ہو وہ قیامت میں بھی ممنوع ہے)

۳۔ نامحرم ہو کر اجنبی نہ ہو تو آنچل کا پردہ کافی ہو جائے گا اجنبی بھی ہو تو جلباب کی حاجت ہوگی اجنبی ہو کر فاسق ہو تو قرن فی البیت کی ضرورت ہوگی فاسق ہو کر عصمت کا لاگو بھی ہو تو گھر کو محفوظ کرنے کی ضرورت ہوگی اور اس کے ساتھ اگر عورت کے پھسل پڑنے کا اندیشہ بھی ہو تو پہرہ چوکی بھی درکار ہوگا غرض ہنگامی احوال فحش کے معیار سے اس میں سختی اور نرمی پیدا کرتے رہیں گے۔

۴۔ پس اسلام میں حجاب بھی ہے اور دفع حجاب بھی ہے نہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اسلام بے پردگی کا حامی ہے اور نہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ حجاب کے بارہ میں تنگ گیر اور زائد از ضرورت متشدد ہے۔

۵۔ پس جو لوگ اسلام کو اس میں سخت گیر کہہ کر بدنام کرتے ہیں وہ درحقیقت پردہ کے وقتی رواجوں کو جو کہ بعض افراد کے تقشف مذہبی اور مزاجی خشکی یا زائد سے زائد مقامی حالات کے تقاضوں سے قائم ہوئے ہوں شرعی حجاب سمجھ رہے ہوں حالانکہ وہ تنگی نظام حجاب کی

نہیں بلکہ احوال و اشخاص کی ہے۔

شرعی پردہ قاری محمد طیب صاحب مستم دار العلوم دیوبند لوازم اسلامیات ۱۴۰۰ اندر کئی

(لاہور)

## گذشتہ تفصیلی بحث و تحقیق سے ثابت

### شدہ امور اور احکامات کا خلاصہ

۱- عورتوں کا پردہ بذات خود مقصود نہیں بلکہ زنا اور زنا کے وسائل اور ذرائع کی روک تھام کی ایک شرعی تدبیر ہے جس کی اطاعت ضروری ہے۔

۲- جہاں زنا، شہوت اور بد نظری یعنی دیکھنے سے لطف اور لذت حاصل کرنے کا شائبہ تک نہ ہو وہاں عورت کا چہرہ، سر کے بال، گلا، کان، بازو اور پنڈلی تک پاؤں بلا ضرورت دیکھنا اور ظاہر ہونا جائز ہے جیسے ماں، بیٹی، بہن وغیرہ محرمات یا معصوم اور کم عمر اجنبی بچیاں یا بہت بوڑھی کیرٹی عورتیں جہاں جانبین سے طبعاً زنا اور اس کے وسائل کی رغبت کا نام و نشان تک نہیں ہوتا تو علت حجاب موجود نہ ہو اور محارم میں تو ساتھ ساتھ علت تخفیف حجاب ”طوائفین و طوائفات“ بدرجہ اتم و اکمل موجود ہے۔

۳- جو خویش و اقارب ایک مکان میں رہتے ہوں جیسے کئی بھائی اور ان



کے اہل و عیال ہو گئے تو اگرچہ یہ لوگ آپس میں محرم نہیں ہوتے لیکن اجنبی بھی نہیں ہوتے اور طبعی حمیت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں میں جانبین کی طرف سے زنا اور شہوت رانی کا عدم ہوتی ہے اس لئے پردے کی علت بہت کمزور ہے اس پر مزید رخصت اور تخفیف حجاب ”طوافون بعضکم علی بعض“ کی علت کی بدرجہ اتم موجودگی نے رہی کسر بھی پوری کر دی اور اس کے ساتھ خانگی مزدوری مثلاً کھانا پینا تیار کرنا، کپڑے برتن دھونا، مال مویشی پالنا اور دودھ دھونا یہ تمام وہ کام ہیں جو کبھی لونڈیاں اور مزدورنیاں سرانجام دیا کرتی تھیں آج یہ سب کچھ بھائیوں کی بیویاں اور بیٹیاں خود کرتی ہیں ان وجوہات کی بنا پر ان نامحرم اقرباء کے درمیان پردہ بھی تقریباً محرمات کے درجہ میں ہوگی۔

۴۔ مرد کے لئے کسی بھی عورت کو اور عورت کے لئے کسی بھی مرد کو شہوت کی نظر سے دیکھنا جائز نہیں خواہ ماں بیٹا، باپ بیٹی یا بہن بھائی کیوں نہ ہوں اور چاہے کوئی بوڑھی کیرٹی عورت ہو یا معصوم نو مولود بچی البتہ خاوند اور بیوی اور آقا اور اس کی لونڈی کے درمیان ایسا تعلق جائز ہے بشرطیکہ وہ لونڈی شرعاً اس کے لئے حلال ہو۔

۵۔ نامحرم رشتہ دار جو مشترکہ خاندانی نظام کے تحت ایک مکان میں رہ رہے ہوں ان پر لازم ہے کہ ان کے سونے کے کمرے الگ ہوں اور

کوئی بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا اپنے والد، بھائی، چچا اور ماموں کے کمرے میں سونے اور آرام کے اوقات میں بغیر اجازت کے اندر داخل نہ ہو اگرچہ آج کل ایسی اجازت کی ضرورت بھی عموماً پیش نہیں آتی اس لئے کہ ہر کمرے کا دروازہ الگ ہوتا ہے جسے سونے کی دوران اندر سے بند کیا جاتا ہے۔

۶۔ کسی بھی نامحرم مرد کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی نامحرم عورت کے ساتھ ایک کمرے میں ایسی حالت میں اٹھنا، بیٹھنا اور سونا اختیار کرے جہاں کوئی اور مرد اور عورت موجود نہ ہو ایسی تنہائی اور تخلیہ میں ایک ساتھ رہنے کو فقہاء کی اصطلاح میں خلوت کہا جاتا ہے جو شرعاً سخت گناہ اور انتہائی خطرناک ہے ایسے مواقع میں تیسرا ضرور شیطان ہوتا ہے۔  
امام بخاری اسی مسئلہ پر مستقل باب قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لَا يَخْلُونَ رَجُلًا بِامْرَأَةٍ إِلَّا ذُو مَحْرَمٍ : عَنْ  
عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِيَّاكُمْ وَ  
الدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَا رَسُولَ  
اللَّهِ أَفَرَأَيْتَ الْحَمَّو قَالَ الْحَمَّو مَوْتُ الْحَدِيثِ  
(بخاری جلد ۲، کتاب النکاح، صفحہ ۷۸۷)

یعنی کسی کے لئے جائز نہیں کہ کسی نامحرم عورت کے ساتھ تنہائی اور خلوت میں ایک ساتھ رہے۔

”حضرت عقبہ ابن عامرؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نامحرم عورتوں کے پاس تنہائی میں جانے سے بچتے رہو تو ایک انصاری نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ”دیور“ یعنی عورت کے شوہر کے بھائی (جیسے رشتہ داروں) کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دیور تو موت ہے یعنی شوہر کا بھائی وغیرہ تو عورت کے لئے ہلاکت ہے۔

تشریح : امیر المومنین فی الاحادیث کی فقہت فی التراجم دیکھئے کہ ترجمۃ الباب کے تحت حدیث کے الفاظ بظاہر مطلقاً دخول علی النساء کی ممانعت پر دال ہیں مگر امام بخاری رحمہ اللہ اس پر ترجمۃ الباب ”لا یخلون رجل“ قائم کر رہے ہیں جس سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ کا مفہوم مطلق نہیں بلکہ صرف تنہائی اور تخلیہ کی حالت میں کسی اجنبی عورت کے پاس جانے سے اجتناب لازمی ہے۔

علامہ طبری رحمہ اللہ حدیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قال الطبری المعنی ان خلوة الرجلین بامرأة  
أخیه او ابن أخیه ینزل منزل الموت ای احذروہ کما  
تحذروا الموت الخ

(فتح الباری علی هامش البخاری)



”علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دو قسم کے آدمی یعنی بھائی اور چچا اپنے بھائی اور بھتیجے کی بیوی کے ساتھ تنہائی اور تخلیہ (ایک کمرے) میں دو بدو رہن سہن سے اجتناب کریں ان کے ایسے اختلاط سے ایسے ڈرو جیسے موت سے۔“

وقال القاضي معناه الخلوة بالاجماع مودية الى  
الفتنة والهلاك في الدين فجعله كهلاك الموت فورد  
الكلام مورد التخليط الخ

(نووی باب تحریم الخلوة بالاجنبیة مسلم شریف جلد ۲)

(صفحہ ۲۱۶)

”علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ خویش و اقارب کا عورت کے ساتھ دو بدو تنہائی میں رہن سہن میں فتنہ اور دینی تباہی کا اندیشہ ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے اس سے بچنے کے لئے تغلیظاً اس اختلاط کو موت قرار دیا۔“

**حاصل بحث:** مردوں اور عورتوں میں سے جو عزیز و اقارب آپس میں محرم نہ ہوں وہ کسی ایسے کمرے میں جہاں کوئی تیسرا عاقل بالغ انسان نہ ہو ہرگز اختلاط نہ رکھیں بلکہ جہاں تک ممکن ہو اپنے محرمات کے ساتھ بلا ضرورت ایک کمرے میں تنہائی کی حالت میں سونے سے اجتناب کریں جبکہ بعض ناواقف باپ اور نوجوان بیٹی شفیقت پداری کے جذبے

کے تحت ایک ساتھ سو جاتے ہیں حالانکہ ایسا کر کے شیطان کو جذبات برا نگینتہ کرنے میں مدد دینے کے سوا اس کو اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

نیز ایک کمرے میں خویش و اقارب کا مشترکہ بود و باش سے اجتناب اس لئے بھی لازم ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ رات کے اندھیرے میں کوئی اٹھ کر اپنی بیوی کو ہم بستری کے لئے جگانا چاہے اور اسی شہوت کی عالم میں اپنی جوان بیٹی کو غلطی سے چھو جائے اور عمر بھر کے لئے اس پر اپنی بیوی حرام ہو جائے یا حرمت مصاہرت کے دیگر مسائل سے دوچار ہونا پڑے جبکہ یہ صرف ایک احتمال نہیں بلکہ ایسے واقعات پیش بھی آچکے ہیں۔

## حجاب کے مسئلہ میں چند عام بے احتیاطیاں

پاکستان اور خصوصاً پشتون قوم میں بے حجابی کے بعض ایسے طور طریقے مروج ہیں جنہیں عوام تو درکنار خواص بھی معیوب نہیں سمجھتے حالانکہ از روئے شریعت ایسا کرنا صریح ممنوع اور گناہ ہے ان میں سے کچھ ناپسندیدہ مروج طریقے ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔ عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اجنبی مردوں سے سر کے بال پوشیدہ رکھے پاکستانی عورتیں اگرچہ سر پر چادر ضرور ڈال لیتی ہیں مگر پیشانی یعنی سر کے اگلے حصہ کا ایک چوتھائی حصہ نہیں چھپاتیں یہاں

تک کہ حج اور عمرہ جانے والی عورتیں حرمین شریفین میں بھی سر کے بال چھپانے کا اہتمام نہیں کرتیں حالانکہ عورت پر اجنبی مردوں سے سر کے بال چھپانا از روئے شریعت لازم ہے۔

۲- پشتون قوم میں عموماً اور وزیر قوم میں خصوصاً عورتوں کا لباس اور سر کا چادر اسلامی پردہ کے عین مطابق ہوتا ہے تاہم آج کل اندرون خانہ عورتیں ہلکے پھلکے کپڑے پہنتی ہیں اور پھر اس پر مزید یہ کہ قمیص کا گلہ کھلا اور کشادہ بناتی ہیں جس کے بٹن کندھے کے اوپر ہوتے ہیں جب کام کاج کے دوران عورت کے گلے اور سینے سے چادر پھسل جائے تو اس کھلے گلے سے نہ صرف عورت کا گلہ بلکہ اس کے چھاتی کے ابھار کے کنارے تک ظاہر ہوتے ہیں جو کہ صریح ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے لہذا اس قسم کا کشادہ اور کھلا گلہ بنانا جائز نہیں اور اس سے اجتناب لازم ہے بلکہ چاہئے کہ قدیم لباس کو گھروں میں یکسر ترک نہ کیا جائے۔

۳- عام طور پر پورے پاکستان کے اور خاص کر پٹھان عورتیں بجنے والے زیورات پہنتی ہیں مشترکہ خاندانی نظام کی صورت میں بیرون خانہ تو درکنار اندرون خانہ بھی عورت کے لئے ایسے زیورات پہننا ممنوع ہونگے جن کی جھنکار گھر والوں کو متوجہ کرے اس لئے کہ بیرون خانہ ممانعت کی علت یہاں بھی موجود ہے۔

جب کہ دوسری طرف پٹھان قوم میں بجنے والے زیورات کی



ایسی وبا پھیلی ہوئی ہے کہ عورتیں تو درکنار ٹرانسپورٹ گاڑیوں کو بھی گھنگرو اور دیگر بجتی ہوئی چیزوں سے لاد دیتے ہیں۔

## مشترکہ خاندانی نظام کے فوائد

بنیادی سوال کا دوسرا جز یہ تھا کہ مشترکہ خاندانی نظام کی اقتصادی اہمیت و فوائد اور مضرات و نقصانات کی نشان دہی کی جائے۔

بظاہر یہ ایک مختصر اور غیر اہم سوال معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت یہ بڑی اہمیت کا حامل ہے بلکہ اگر کہا جائے کہ امت مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی اور تشقت و پرآگندگی کے رشتہ گم گشتہ کا سرا اسی سوال کے جواب میں مضمحل ہے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔

اس سوال کے جواب سے پہلے چند مسلمات پیش خدمت ہیں۔

## لفظ ”انسان“ کا لغوی معنی اور مفہوم

۱۔ امام لغت القرآن علامہ راغب اصفہانی ”انسان“ کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

والانسان: قیل سمی بذالک لانه خلق خلقه لا قوام له الا بانس بعضهم ببعض و لهذا قیل الانسان مدنی بالطبع من حیث انه لا قوام لبعضهم الا ببعض ولا یمكنه ان یقوم بجمیع اسبابه۔

(المفردات للراغب صفحہ ۲۷)

”یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کچھ اس طرح کی ہے کہ اس کی معیشت اور زندگی کا قوام اور درستگی دوسروں کی شراکت اور اجتماعی عمل کے بغیر ناممکن ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان طبعی طور پر شہریت اور اجتماعیت پسند ہے اس لئے کہ وہ اپنی ضروریات کے اسباب اور وسائل انفرادی طور پر مہیا نہیں کر سکتا۔“

مشاہدہ گواہ ہے کہ انسان اور اس کی زندگی کے استحکام اور ترقی کی ضروریات ان گنت اور بے شمار ہیں اور پھر خاص کر موجودہ دور کے لحاظ سے اس میں مزید تنوع آیا ہے ان ضروریات کی تکمیل انفرادی طور پر کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔

۲۔ انسانوں میں قدرت کی ودیعت کردہ صلاحیتیں اور کمالات یکساں نہیں مختلف لوگوں میں مختلف شعبہ ہائے زندگی کی طرف طبعی میلان اور مہارت پایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ارشاد ہے۔

نحن قسمنا بینہم معیشتہم فی الحیوۃ الدنیا و  
رفعنا بعضہم فوق بعض درجات لیتخذ بعضهم  
بعضا سخریا الا یہ ☆

(پارہ ۲۵، الزخرف، آیت ۳۲)

”ہم نے تقسیم کر دیا ہے ان کے درمیان ان کے ذرائع معاش اس دنیا کی زندگی میں اور بلند کروئے درجے (کمالات و استعدادات) بعض کے بعض پر تاکہ ایک دوسرے سے کام لیں۔“

یہ آیت اور اس قسم کے بہت سے نصوص شاہد ہیں کہ انسان اپنی ضروریات کی تکمیل میں دوسروں کا محتاج ہے۔

۳۔ فطرت کا قانون زوجیت جو کل کائنات پر حاوی ہے وہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ اس مادی عالم میں جملہ نتائج، فوائد اور منافع اجتماعی عمل کے مرہون منت ہیں اور انفرادی عمل کا نتیجہ ہر جگہ صفر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

سبحان الذی خلق الأزواج کلھا مما تنبت  
الأرض و من انفسھم و مما لا یعلمون ☆  
(پارہ ۲۳، یس، آیت ۳۶)

”پاک ہے وہ ذات جس نے سب چیزوں کے جوڑے بنائے ہیں جو زمین سے اگتے ہیں اور خود ان (انسانوں) میں سے اور ان چیزوں میں سے کہ جن کی انسان کو خبر نہیں۔“  
دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

و من کل شیء خلقنا زوجین لعلکم تذكرون ☆  
(پارہ ۲۷، الذاریات، آیت ۲۹)



”اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں شاید تم سمجھ بوجھ سے

کام لو۔

اجتماعیت کی ابتدا دو یعنی جوڑے سے شروع ہوتی ہے اور انتہا کی کوئی حد ہی نہیں غرض جب وحدت اور انفرادیت سے آگے بڑھ کر دو ہو جائیں تو یہ جماعت کی ابتدا ہے شریعت اور سائنس گواہ ہے کہ عالم مادیات میں جملہ نتائج اور ثمرات قانون زوجیت یعنی اجتماعی عمل کی مرہون منت ہیں یہاں تک کہ سائنس دانوں کے بقول ایٹم کے ننھے ذرات ”الیکٹران“ اور ”پروٹان“ (مثبت اور منفی چارج) میں بھی قانون زوجیت (اجتماعی عمل) کار فرما ہے۔

۴۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ قوت اور عزت و غلبہ اتحاد اور اتفاق میں ہے مادیات کی اکائیوں میں ہم جتنا اضافہ کرتے جائیں گے ان کے افراد میں اجتماعیت اتنی بڑھتی جائیگی اور ان کی قوت اور افادیت واضح ہوتی جائے گی۔

۵۔ کسی مرکب اور اجتماعی چیز سے مطلوبہ فوائد اور منفعت کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز کے تمام پرزوں میں ربط و اتحاد اور ہم آہنگی اس حد تک ہو کہ اس مجموعہ کا ایک ہی نام، ایک ہدف اور منزل مقصود ہو۔

مثلاً ایک گھڑی یا ایک مشین ہے اس میں مختلف اجزاء اور کل

پرزے ہیں جن کے اعمال، کار کردگی، سائز اور قدر و قیمت وغیرہ مختلف ہوتے ہیں مگر چونکہ ان سب کا مقصد ایک ہے اور ان کا عمل آپس میں مربوط اور منظم ہے اسلئے اس اتحاد نے کثرت کے باوجود وحدت اور ایک ہی نام اختیار کرلی۔

## حضور علیہ السلام کے ایک تمثیلی تعلیم میں مسلمانوں کے تمام مشکلات کا حل

مشہور محاورہ ہے ”کلام الملوک ملوک الکلام“ بادشاہوں کی باتیں باتوں کی بادشاہ ہوتی ہیں چونکہ حضور علیہ السلام تمام مخلوقات میں افضل ترین اور نافع ترین ہیں اسلئے آپ کا ہر قول انسانوں کے جملہ اقوال میں مفید تر ہوگا تاہم جہاں تک میں سمجھتا ہوں اگر حضور علیہ السلام کے ہزاروں زریں اقوال میں سے صرف حسب ذیل ایک ہی قول کو مسلمان سمجھ کر اس پر عمل کریں تو دنیا اور آخرت کی کامیابیاں ان کے قدم چومیں گی۔

حضور علیہ السلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔

تری المومنین فی تراحمهم و توادهم و  
تعاطفهم کمثل الجسد اذا اشتکی عضوا تداعی له  
سائر جسده بالسهر و الحمی الحدیث

(بخاری جلد ۲، صفحہ ۸۸۹، باب الادب)

”یعنی ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رحمت، دوستی اور ہمدردی کرنے میں جسم واحد کے مختلف اعضاء جیسا بھرتاؤ کریں گے اگر جسم کے کسی بھی عضو کو گزند اور تکلیف پہنچتی ہے



تو انسان کا پورا جسم اس کی غمخواری اور درد و الم میں شریک ہو کر بخار،  
بے خوابی اور بے آرامی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“  
ایک دوسرا ارشاد ہے۔

ان المومن للمومن کا لبنیان یشد بعضہ بعضا  
السخ۔

(بخاری جلد ۱، صفحہ ۶۹، باب تشبیک الاصابع)

”بے شک ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا باعث تقویت  
ہوتا ہے جیسا کہ ایک مکان کے کچھ حصے دیگر حصوں کیلئے ہوتے ہیں۔  
تشریح: حضور علیہ السلام پر جان و مال قربان ہو آپ نے چند جملوں  
میں امت مسلمہ کے جملہ بیماریوں، فتنوں اور ضعف و ذلت کا شافی و کافی  
علاج بتلادیا دیکھئے جسم انسانی کے بے شمار اعضاء اور کل پرزے شکل اور  
صورت، حجم اور مقدار، عمل، قدر و قیمت اور عزت و ذلت کے اعتبار  
سے نہ صرف مختلف ہیں بلکہ بظاہر متضاد بھی دیکھائی دیتے ہیں مثلاً اگر  
کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنے بعض اعضاء کے ساتھ تشبیہ اور نسبت  
دے مثلاً کہے کہ تو میرا آنکھ کا تارا ہے وغیرہ تو ان جیسے الفاظ کے سننے  
سے مخاطب کے ذہن میں محبت اور پیار کا سمندر موج زن ہوتا ہے یہ  
اس لئے کہ انسانی معاشرہ میں جسم کے مذکورہ اعضاء عزت و شرف کے  
اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں اور اس کے برعکس اگر کوئی شخص کسی

دوسرے کو اپنے بعض دیگر اعضاء (ذکر، خصیے وغیرہ) سے تشبیہ اور نسبت دے تو یقیناً سننے والے کے دل میں غصے اور دشمنی کے آگ کا وہ طوفان اٹھے گا کہ ممکن ہے کہ قتل و مقاتلہ تک نوبت جا پہنچے یہ محض اس بنا پر کہ انسانی معاشرہ کے رسم و رواج میں مذکورہ جیسے اعضاء زلت و بے قدری کے اس آخری حد پر جا پہنچے ہیں کہ سب و شتم کے وقت ان ہی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

یہی تفاوت اعضاء جسم کے کارکردگی میں بھی ہے۔ مثال کے طور پر منہ کے ذریعہ مرغوب، خوش ذائقہ اور لذیذ اشیاء بدن میں بطور خوراک داخل کی جاتی ہیں اسلئے منہ کا فعل و عمل بہت باعزت اور مشرف سمجھا جاتا ہے جبکہ بول اور براز کے اعضاء کا عمل اور کارکردگی اس کے برعکس ہوتی ہے وہ جسم کے بے کار مواد جو پلید، بد بودار اور باعث نفرت ہوتے ہیں خارج کرتے ہیں لہذا ان اعضاء کی کارکردگی بظاہر غیر اہم اور بے قدر و قیمت سمجھی جاتی ہے۔

نیز اعضاء جسم میں بہ اعتبار مکان بھی فرق ہے بعض انتہائی بلند و برتر مکان کے مکین ہیں جیسے سر اور اس کے متعلقہ دوسرے اعضاء۔ اور بعض اعضاء مکان کے لحاظ سے اسفل السافلین میں سکونت پذیر ہیں جیسے پاؤں اور اس کے متعلقہ دیگر اعضاء جسم کے اس تضاد کے باوجود جملہ اعضاء کا مقصود چونکہ ایک ہے اور وہ ہے ”صحت اور حیات

کا تحفظ اور بقاء“ اسلئے اعضاء جسم کے اعلیٰ اور ادنیٰ ہر ایک کا فریضہ صحت کی بقاء کے لئے ضروری ہے اس طرح گویا ہر ایک عضو دوسرے عضو کے وظیفہ اور فریضہ میں معاونت اور مدد کر رہا ہے اسلئے ہر ایک عضو دوسرے کو اپنی ذات جیسی عزیز سمجھتا ہے اور ہر ایک دوسرے کا عمل اور کارکردگی اپنے لئے محنت اور مزدوری سمجھتا ہے اس لئے جسم کے کثیر التعداد اعضاء اور ان کے بظاہر متضاد اعمال کے باوجود ان میں اونچ نیچ اور افضل و غیر افضل کا فرق ختم ہو کر ایک اکائی اختیار کر لیتے ہیں اور اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز مٹ جاتا ہے منہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بول و براز کے اعضاء پر اپنی برتری جتائے اس لئے کہ بول و براز کے اعضاء اگر اپنی کارکردگی چھوڑ دیں تو کھانا پینا کیا زندگی سے ہاتھ دھونے پڑیں گے یہی مثال باقی اعضاء کی ہے اور یہی تو وجہ ہے کہ تمام اعضاء کسی بھی دیگر عضو کے تکلیف میں شریک غم ہو جاتے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں میں جب تک اعضاء جسم جیسی ہمدردی تھی اور ان کا ہدف اور زندگی کا مقصد ایک تھا تو ہر ایک مسلمان کا جینا اور مرنا اسلام اور مسلم بھائیوں کے لئے تھا جنگ احد میں مسلمانوں نے خود پیاس کی عالم میں دنیا سے رخصت ہونے کو ترجیح دی اور پانی کا گلاس دوسرے کو پلانے کا اشارہ کیا، بھوک کی شدت میں بھی اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دی گئی (ویوٹرون علیٰ انفسہم و



لو کان بہم خصاصۃ الآیہ) ”یعنی صحابہؓ دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں خود سخت احتیاج ہوتا ہے“ اور اس ایثار و ہمدردی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان نہ صرف انسانوں بلکہ کائنات پر حکمران تھے مسلم امت قومیت، رنگ و نسل، پیشہ اور کسب، فرقہ واریت اور گروہ بندی، جغرافیائی اور لسانی حد بندیوں سے بالاتر ہو کر صرف اور صرف ایک ہی تھی جب کوئی کسی سے دریافت کرتا ”من القوم“ کس قوم سے تعلق رکھتے ہو؟ تو جواب ملتا ”مسلم“ میری قومیت مسلمان ہے۔

## آج امت مسلمہ ہر میدان میں کیوں

### بے کسی کی تصویر بنا کھڑا ہے؟

موجودہ دور میں اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اقوام عالم میں مسلم قومیت سے زیادہ کمزور اور بے بس اور کوئی نہیں حالانکہ کلمہ پڑھنے والے نفوس کی کمی نہیں، وسائل موجود ہیں مساجد اور مدارس کی کثرت ہے، تعلیم و تدریس کا ایک وسیع حلقہ قائم ہے، دعوت و تبلیغ کی کمی نہیں، عبادات کی ادائیگی ہوتی ہے اگر کمی ہے تو صرف ایک اور وہ ہے مسلمانوں میں اجتماعی مقصد کے حصول کے لئے اجتماعی اور مربوط و منظم عمل کا فقدان، جس سے نہ صرف امت کا شیرازہ بکھر گیا بلکہ اس عظیم اور انتہائی وحدت کی اکائی (متحدہ خاندانی برادری اور

وحدت) بھی اس حد تک پارہ پارہ ہو گیا کہ بھائی اپنے بھائی اور بیٹا اپنے باپ پر سبقت حاصل کرنے اور ایک دوسرے کو پیچھے دکھیل دینے میں مصروف ہے جس کے نتیجے میں ہر ایک بے چارگی اور نفسا نفسی کے دلدل میں روز افزوں ترقی کے ساتھ پھنستا جا رہا ہے۔

## اسلام اور اسلامی تعلیمات نام ہی اجتماعی

### مقصد یا اجتماعی عمل کا ہے

دین اسلام کی ابتدائی تعلیمات سے لیکر انتہائی تعلیمات تک کو دیکھا جائے اور عبادات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ ان میں اجتماعی عمل کی ترغیب کے ساتھ ساتھ انفرادی عمل اور انفرادی مقاصد کے بارے میں حوصلہ شکنی کے صریح نصوص وارد ہیں اور یہی رنگ دین اسلام کے ہر حکم میں واضح نظر آتا ہے۔

الف: مثال کے طور پر عبادات کو لیں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ جیسے ارکان دین میں واضح طور پر اتحاد، ہم آہنگی اور اجتماعی عمل کی عملی تعلیم ہے۔

ب: ایک باپ سے انسانی نسل کی تخلیق میں یہی فلسفہ کار فرما ہے۔  
ج: مسلمانوں کے لئے ایک اللہ، ایک رسول، ایک قرآن اور ایک قبلہ کا عقیدہ اور ایمان باعث وحدت و اجتماع اگر نہ ہو سکے تو اس سے بڑھ کر

اور کیا چیز اس کو اتحاد، اتفاق اور اجتماعی عمل کی تعلیم دے سکے گی؟  
و: یہاں تک کہ حضور علیہ السلام نے اکیلے سفر سے بھی ممانعت فرمائی  
ہے اور کھانے پینے جیسے اپنی کاموں میں بھی اجتماعی صورت کی ترغیب  
دی ہے۔

۔ تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

## قرآن کریم نسبی اور اسلامی اتحاد پر

### زور دیتا ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کے  
سلسلے کی اعلیٰ ترین کڑی حضور علیہ السلام کی ذات گرامی ہے اور اس  
سلسلے کا اولین حلقہ کسی خاندان کا باپ اور دادا ہوتا ہے۔

حضور علیہ السلام سے بحیثیت رسول اللہ مسلمانوں کے تعلق اور  
رشتہ کے دائرہ کا نام ایمان اور اسلام ہے اس دائرہ کے اندر جو کوئی بھی  
ہو وہ ایک دوسرے کا بھائی ہے خواہ رنگ و نسل، مذہب و مسلک اور  
ملک و زبان میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انما المؤمنون اخوة الآیہ ☆

”بے شک ایمان والے آپس میں بھائی ہیں۔“



حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

ان المومن للمومن کا لبنیان یشد بعضہ بعضا  
الحديث

”بے شک ایک مومن دوسرے مومن کے لئے باعث تقویت  
ہوتا ہے جیسا کہ ایک مکان کے بعض حصے دوسرے بعض حصوں کے  
لئے باعث استحکام ہوتے ہیں۔“

ذرا دیکھئے تو سہی قرآن و حدیث مسلمانوں کے آپس کی قربت و  
ہمدردی اور ایک دوسرے کو تقویت پہنچانے اور ایک دوسرے سے دفاع  
کرنے کے لئے ایمان اور صرف ایمان کے دائرہ کے اندر داخل ہونا علت  
اور شرط قرار دیتے ہیں اور بس۔ اس سے قطعی طور پر واضح ہوتا ہے  
کہ امت کی وحدت کی اہمیت اسلامی تعلیمات میں کیا مقام رکھتی ہے۔

## خاندانی اور اسلامی وحدت

اسلامی وحدت کی ابتداء خاندانی وحدت سے ہوتی ہے جس کا محور  
اور مرکز باپ اور دادا ہوتا ہے خاندان در اصل باپ اور دادا سے تعلق  
اور رشتہ کے دائرہ کا نام ہے اس دائرے کے اندر جتنے افراد داخل ہوتے  
ہیں انہیں محارم اور خویش و اقارب کہا جاتا ہے۔

قرآن نے مذکورہ بالا دو رشتوں کے اندر داخل افراد کے ساتھ  
ہمدردی، تعاون اور اتصال رکھنے پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا ہے۔

ازواجه امہاتہم و اولوالارحام بعضہم اولیٰ ببعض فی  
کتاب اللہ من المؤمنین والمہاجرین الا ان تفعلوا الی  
اولیائکم معروفا کان ذالک فی الکتاب مسطوراً ☆  
(پارہ ۲۱۵، الاحزاب، آیت ۶)

”کتاب اللہ اور لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ کا تحریری حکم ہے کہ  
مؤمنین کے لئے نبی سے تعلق اور لگاؤ اپنے نفس اور ذات سے بڑھ کر  
ہے اور نبی کی بیویاں مؤمنین کی مائیں ہیں اور رشتہ دار ایک دوسرے  
کے ساتھ لگاؤ اور ہمدردی میں دوسرے مؤمنین اور مہاجرین کی بہ نسبت  
زیادہ حقدار ہیں ہاں اپنے دوستوں سے بے شک اچھائی کرتے رہو۔  
تشریح: چونکہ ایک خاندان کے افراد آپس میں دو رشتوں سے منسلک  
ہوتے ہیں ایک ایمان کا رشتہ اور دوسرا نسب کا رشتہ اس لئے ان کا  
آپس میں تعاون، ہمدردی اور نغمگساری دوسرے مؤمنین کی بہ نسبت اہم  
اور مقدم ہے۔“

# مسلمانوں کی وحدت اور اجتماعیت کے

## خود ساختہ دائرے

قرآن اور حدیث کے حوالے سے پچھلے صفحات میں گذرا کہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ نے مسلمان ملت کی آپس کی اخوت، رحمت اور معاونت کے لئے معیار اور ترازو ایمان کا دائرہ مقرر فرمایا ہے مگر امت مسلمہ کے خواص و عوام نے ایمان کے وسیع و عریض دائرے کو درجہ بدرجہ چھوٹے چھوٹے دائروں میں تقسیم کرنا شروع کیا جن میں سے کچھ تو مفید بلکہ ضروری تھے اس لئے کہ وہ ایمان کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے اپنے بقا کے لئے ضروری معاون ہیں مگر فی زمانہ ستم ظریفی یہ شروع ہوئی کہ ان چھوٹے دائروں کو یار لوگ ایمان کا دائرہ سمجھنے لگے اور جس کسی کو اپنے منتخب کردہ تنگ دائرے سے ذرا بھی باہر پایا اسے اپنا بھائی تو کیا دشمن سمجھنے لگا۔

مثال کے طور پر ایمان کے دائرے کے اندر مذہب کا دائرہ ہے اس میں شک نہیں کہ مذہب کے بغیر قرآن و سنت کی تشریحات کو سمجھنا اور ان پر صحیح عمل کرنا ایسا ہے جیسے دنیاوی علوم اور فنون پر اساتذہ فن کے بغیر عبور حاصل کر کے عمل کرنا مشکل ہے۔ لیکن اگر ایک مسلمان کسی مخصوص مذہب کے دائرے کے اندر نہیں تو اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ وہ ایمان کے دائرے سے بھی خارج ہو گیا۔



پھر مذہب کے دائرے کے اندر مسلک کا دائرہ ہے دیکھئے حنفی مذہب کے اندر دیوبندی مسلک ہے یا بریلوی مسلک ہے باوجود اس کے کہ دونوں جماعتیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی سو فیصد اتباع کے دعویدار ہیں اب یقینی بات ہے کہ اگر کوئی فرد کس کا ہم مسلک نہیں تو اسے غیر نہیں قرار دیا جاسکتا۔

نیز مسلک کے اندر مشرب کے حدود ہیں اور پھر ہم مشرب لوگوں کے اندر مزید گروہ بندیاں ہیں حالانکہ سب کے سب ایمان اور اہل سنت والجماعہ کے دعویدار ہیں ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ سب آپس میں جسم واحد کے اعضاء جیسا بھرتاؤ کریں ایک دوسرے کو تقویت پہنچائے اور اپنا زور بازو، زور قلم اور زور بیاں متحدہ طور پر اغیاروں کے خلاف صرف کریں مگر بد قسمتی سے آج معاملہ الٹا ہو چکا ہے مسلمانوں کی ہر جماعت اور گروہ دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہے دوسرے کو نیچا دکھانے اور اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے ایڑھی چوٹی زور لگائی جا رہی ہے نتیجہ ہر ایک کے سامنے ہے کہ امت کی وحدت اور اسلامی اخوت اور اجتماعیت کی بجائے فرقہ واریت، عداوت اور انتشار روز افزوں ترقی پر ہے۔

## خاندانی وحدت کا حشر

یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ ایک خاندان میں اگر پانچ بھائی ہیں تو ان کی طاقت، قوت عمل، ثروت اور جاہ و جلال کسی ایک بھائی کی بہ نسبت پانچ گنا ہوتا ہے اور اگر اس متحدہ خاندان کے افراد اس سے بھی زیادہ ہیں تو ان کی قوت مزید بڑھے گی۔

پھر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اجتماعی خاندان میں افراد کی ذہنی اور عملی استعداد میں فرق اور کمی بیشی ہوتی ہے نیز خاندان کی ضروریات کے شعبوں میں بھی اہمیت اور قدر و قیمت کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خاندان کا ہر فرد اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق با روزگار ہو جاتا ہے اور ہر ایک شعبہ عمل محفوظ اور متحرک رہتا ہے اس طرح خاندان کے افرادی قوت بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی استعدادی قوت بڑھ جاتی ہے ان کی کار و باری اور تجارتی وسعت بہت جلد ایک کمپنی کی شکل اختیار کر لیتی ہے پھر آہستہ آہستہ یہ مقامی کمپنی ملکی اور آخر کار ایک عالمی کمپنی کی صورت اختیار کرنے لگتی ہے یہ مفروضہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے آج اگر کسی بھی عالمی کمپنی یا کارپوریشن کی سرگذشت کا کھوج لگایا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ ماضی قریب میں ایک خاندانی اور مقامی اجتماعی عمل تھا جس کی ابتداء دو تین افراد نے کی تھی۔

اور اگر ایک خاندان کے دس بیس افراد اجتماعی عمل پر انفرادی

معیشت کو ترجیح دیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس خاندان کی قوت بازو اور قوت زر منقسم ہو کر رہ جائیگی ان کا جاہ و جلال باقی نہیں رہے گا اور کاروبار کا گراف یکدم گر جائیگا (ذالک هو الخسران المبین) یہ ایک واضح خسارہ ہے۔

## اسلامی تعلیمات غیروں نے اپنا کر بام

### عروج پر جا پہنچے

آج نہ صرف یورپ بلکہ کرہ ارض پر آباد پوری ملت کافرہ تقریباً ہر کام اور عمل شراکت اور اجتماعی عمل کے تحت کرتی ہے جن کے مختلف اصطلاحی نام انہوں نے رکھ لئے ہیں۔

مثال کے طور پر کمیٹی Committee (ذیلی مجلس، پنچائیت، جرگہ)

یونین Union (اتحاد، ملاپ)

کونسل Council (جماعت، پنچائیت، انتظامی مجلس اور جماعت)

کارپوریشن Corporation (وہ جماعت جو کسی ضابطہ کے تحت مثل شخص واحد متحد ہو)

کمپنی Company (ایک جماعت، رفاقت، دوستوں اور خویش و

اقارب کا جمع، اجتماعی عمل)

اس قسم کے بے شمار نام ہیں تاہم سب کا مفہوم اجتماعی عمل کا ہے



اگرچہ آج کل ترقی پذیر مسلمان ملکوں اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں نے غیر مسلم اقوام کی پیروی میں مذکورہ یورپین ناموں کے تحت اجتماعی عمل اور کاروبار شروع کیا ہے مگر وہ اس ترقی کو یورپ کی تقلید اور یورپین تعلیم جدید کا ثمرہ اور احسان سمجھتے ہیں اور قرآن و سنت کی تعلیمات کو نادان مسلمانوں کے انفرادی عمل اور فرقہ پرستی کے پیش نظر فرقہ واریت کی تعلیمات کا الزام دیا جاتا ہے۔

حالانکہ چودہ سو سال پہلے جہالت میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو ہر دینی اور دنیاوی کام اجتماعی فکر و عمل کے تحت کرنے کی ہدایت اسلام نے دی جس پر سابقہ قرآنی آیات اور احادیث دلالت کرتی ہیں اسی اجتماعی عمل کی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم کی ایک سورہ کا نام (شوری) یعنی اجتماعی فکر و عمل رکھا گیا اور حضور علیہ السلام جیسے عقل کل اور جامع العلوم شخصیت کو اپنے پیرو کاروں کے ساتھ مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا اور مومنوں کے امتیازی کمالات میں ان کے اجتماعی فکر و عمل کو قرآن کریم نے خصوصیت کے ساتھ اجاگر کیا۔ ارشاد ہوا۔

قوله تعالى : والذين استجابوا لربهم و اقاموا  
الصلوة و امرهم شوری بینهم و مما رزقنہم  
ینفقون ☆

(پارہ ۲۵، سورہ شوری، آیت ۳۸)

”اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھلائی ان لوگوں کے لئے ہے) جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کا کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے اور جو کچھ میں نے انہیں دی ہے ان میں سے دوسرے مستحقین پر خرچ کرتے ہیں۔

تشریح: اقامت صلوٰۃ میں نماز باجماعت ادا کرنا شامل ہے تو گویا کہ یہ اجتماعی عمل ہوا اور باہمی مشورہ میں اجتماعی فکر و نظر ہوا اور ”مما رزقنہم“ قوت زور، قوت زر، قوت فکر و عمل، عقل و دانش تمام قابلیتیں اور استعدادات داخل ہیں یعنی تمام انعامات میں سے مستحقین کی ہاتھ بٹاتے ہیں گویا کہ یہ اجتماعی معاونت کی طرف اشارہ ہے۔

## مشترکہ خاندانی نظام کی ترقی اور بقاء

### کے لئے چند بنیادی شرائط

مشترکہ خاندانی نظام یا اجتماعی عمل کی کامیابی اور ترقی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے طے شدہ ضابطہ کار موجود ہو جو ہر فرد کے لئے فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہو اس ضابطے کے چند مثالی دفعات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- پورے خاندان کے بنیادی افراد مثلاً پانچ بھائی ہیں اب اس خاندان کے بھائیوں کی بیٹوں اور بیویوں میں کمی بیشی ہوگی اور ان کے فوائد اور نقصانات میں فرق ہوگا مگر اس خاندان کے بنیادی ارکان چونکہ وہی پانچ بھائی ہیں لہذا کاروباری نفع و نقصان میں ان بنیادی ارکان کے درمیان مساوات ہو البتہ اگر بھائی کسی بھتیجے کو بخوشی ایک بھائی کی حیثیت دیتے ہیں تو یہ الگ بات ہے۔

۲- خاندان کے افراد کا کھانا، پینا، لباس، مکان، تعلیم، بیماری، غم اور خوشی کے اخراجات بلا امتیاز مشترک ہوں تاہم ان اخراجات میں مساوات اور کفایت شعاری اختیار کرنے کے لئے کوئی معیار اور ضابطہ ہوتا کہ یہ آپس کی حسد اور رقابت پر منتج نہ ہو۔

۳- خاندان کا کوئی فرد مرد و عورت مفت خور اور طفیلی نہ ہو۔



۴- پورے خاندان کے اندر تقسیم کار ہو اور ہر ایک کو اس کی اہلیت اور قابلیت کی مناسبت سے کام حوالہ کیا جائے۔

۵- کوئی بھی فرد دوسرے کے کام میں مداخلت نہ کرے البتہ ہر ایک دوسرے کی تعمیری اور اصلاحی مشورہ قبول کرتا رہے۔

۶- ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے کے دائرہ کار میں اس کام کے ذمہ دار فرد کی اہمیت اور برتری کو اجاگر کرتا رہے اور عام لوگوں کے سامنے اس کے ”انا“ کو ہرگز مجروح نہ کرے۔

۷- آمد و خرچ اور ہر کام کے نظم و ضبط کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

۸- پورے خاندان کا ایک سربراہ مقرر ہو جس کی اطاعت ہر ایک کے لئے شرعی امیر کی طرح ضروری ہو۔

## امیر کے فرائض

الف: جملہ متعلقہ امور باہمی مشورہ سے طے کرنے کے بعد اس پر عمل کرانے کا اہتمام کرتا رہے۔

ب: کوتاہی کرنے والے سے باز پرس کرے۔

ج: جہاں کہیں بگاڑ پیدا ہو اس کی اصلاح کرے۔

د: حالات کے تقاضے کے مطابق خاندان کے ارکان کا مجلس شوری منعقد کرے اور ہر ایک کو کھول کر بات کرنے اور تنقید کرنے کا موقعہ دے۔

۵: اگر رائے میں اختلاف ہو اور امیر کسی ایک رائے کے مطابق فیصلہ کرے تو دوسروں کو دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کرے۔

## مذکورہ تمام دفعات کا شرعی ماخذ

### یعنی بنیاد

شریعت اسلامی نے مسلمانوں کو روزانہ پانچ وقتی نمازوں کے لئے جو ضوابط مقرر کئے ہیں اجتماعی عمل کے لئے وہ تمام قوانین راہنما اصول ہیں۔

## مشترکہ خاندانی نظام کے لئے چند تباہ

### کن باتیں

مشترکہ خاندان کی ابتدا تو ایک باپ کی اولاد یعنی بھائیوں سے ہوتی ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ بھائیوں کے اندر خون و نسب کا رشتہ اتنا بھر پور ہوتا ہے کہ باوجود عارضی تلخ کلامی کے ایک دوسرے سے جدائی اور قطع تعلقات پر تیار نہیں ہوتے البتہ دو اسباب کے نتیجے میں سکے بھائی اور ان کی قوت تترہتر ہو کر رہ جاتی ہے اور ایک دوسرے کے بدخولہ بھی بن سکتے ہیں۔

پہلا سبب: ایک گھرانہ کے تباہ ہونے اور بھائی کے بھائی سے جدا

ہونے کی پہلی بنیادی سبب بھائیوں کے بیویاں ہوتی ہیں عورت بہ دل و جان انفرادی خانہ داری کی دلدادہ ہوتی ہے اور اجتماعی خانہ داری اور بود و باش اس پر بوجھ ہوتا ہے اس کے کئی معقول وجوہات ہیں۔

الف: انفرادی گھر کے اندر عورت بے تاج ملکہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اجتماعی گھرانے کی چار دیواری کے اندر ہر عورت کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔

ب: کسی بھی اجتماعی گھرانے میں عورتیں عموماً اجنبی اور متفرق گھرانوں سے آکر بستی ہیں تو عورتوں کا اپنے خاندانوں کے برادری ٹوٹنے کا کیا دکھ ہو سکتا ہے؟ جبکہ عورت سمجھتی ہے کہ جب میں نے خاندان کے لئے والدین اور بھائی بہنوں کو قربان کیا تو خاندان کو چاہئے کہ وہ بھی میرے لئے یہ سب کچھ قربان کرے۔

ج: عورتوں کے عمل اور نفع و نقصان کا دائرہ گھر کی چار دیواری کے اندر محدود ہوتا ہے اس لئے ان کا سوچ بھی کنویں کی مینڈک کی طرح محدود ہوتا ہے گھر کے چار دیواری کے اندر کے اعتبار سے انفرادی گھر میں کھانے، پینے، صفائی، سکون اور بچوں کے ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے وغیرہ جیسے انتظامات بہ نسبت اجتماعی گھرانے کے کہیں بہتر ہوتے ہیں اور عورت کی نگاہ صرف اپنی محدود مفادات پر ہوتی ہے اور گھر کی چار دیواری سے باہر اجتماعی گھرانے کے عظیم مفادات عموماً عورت کی نگاہ



سے اوجھل اور مخفی ہوتے ہیں اس لئے وہ انفرادی گھرانے کو ترجیح دیتی ہے۔

دوسرا سبب : اجتماعی گھرانے کے منتشر ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوتا ہے جب بھائیوں میں سے کوئی اپنے لئے زیادہ منفعت حاصل کرنے کی لالچ رکھے اس بنا پر کہ میں بڑا ہوں یا میں نے بہت کمایا ہے یا میں نے اس گھر کی آبادی کے لئے بہت مصیبتیں برداشت کی ہیں یا میرے بیٹے بہت کماتے ہیں یا میری بیوی بہت کچھ کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

حب مال اور نفس پرستی کا یہ جذبہ کئی شکلوں میں ابھر سکتا ہے جن کی بعض صورتیں حسب ذیل ہیں۔

الف : کسی عورت کے نام دنبہ، بکری، گائے، یا بھینس نامزد کرنا کیونکہ پھر اس جانور کے بچے اس کے دودھ اور جملہ فوائد مشترکہ خاندان کے اندر صرف اسی عورت اور اس کے خاوند اور اولاد کے لئے مختص ملکیت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں حالانکہ اس جانور کا کھانا، پینا، گھاس پھوس، ادویات وغیرہ سب کچھ مشترکہ گھریلو اخراجات سے پورے کئے جاتے ہیں بلکہ عموماً اس جانور کی خریداری کا رقم عورت کا خاوند دیتا ہے جو درحقیقت جملہ بھائیوں کی مشترکہ دولت ہوتی ہے۔

پھر یہی رقابت یا ضرورت دوسری عورت کو پیش آتی ہے پھر تیسری کو علیٰ ہذا القیاس نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک عورت چوری چھپے

اپنے جانور کو مشترکہ گھر کا غلہ، دانہ اور روٹی کھلاتی رہتی ہے اس طرح مشترکہ گھر کے غلے کے گوداموں میں چوہوں کے مخفی غاروں کی بھرمار شروع ہو جاتی ہے۔

پھر بعض حضرات عورت کے جانوروں کے بچے اور جانور فروخت کر کے اس کی آمدنی کی رقومات کے کھاتے مشترکہ کاروبار میں کھول دیتے ہیں اس نیت سے کہ کل جب بھائیوں کے اندر تقسیم دولت کی نوبت آئیگی تو عورت کے کھاتے کی رقومات میری مختص ملکیت ہوگی۔

حالانکہ مشترکہ نفع و نقصان اور مشترکہ خاندانی نظام میں یہ روش نہ صرف اس اجتماعی خاندان کے لئے تباہ کن اور باعث بربادی ہے بلکہ از روئے شریعت ظلم، ناجائز اور حرام بھی ہے۔

ب: بعض اوقات ایک بھائی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ چونکہ پورے خاندان کی دولت اور جاہ و جلال میری ذات، میری محنت اور میرے کمالات کی مرہون منت ہے لہذا مشترکہ مال و جائداد میں ”اضافی حصہ“ ملنا میرا حق ہے یا کوئی بھائی یہ خیال کرتا ہے کہ میرے بیٹے زیادہ کماتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ میں نے بیرون ملک سفر کر کے دولت کمایا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کے ارادے اور لالچیں اجتماعی گھرانہ کیلئے انتہائی خطرناک صورت حال پیدا کر سکتے ہیں لہذا اجتماعی گھرانے کے ذمہ دار افراد کے لئے ضروری ہے کہ اس قسم کے رجحانات کا قبل از وقت سد باب کر لیں۔

## اجتماعی خاندان کے تحفظ کے لئے بعض

### مفید اقدامات

۱۔ اجتماعی گھرانے کو تحفظ اور استحکام و دوام دینے کے لئے ضروری ہے کہ جملہ بھائی اور چچا زاد بھائی مل کر بیٹھ کر عورتوں کے طبعی میلان اور فطرت کو سمجھ کر فیصلہ کریں کہ عورتوں کے اس خواہش کو ہرگز پورا نہیں ہونے دیں گے اور اپنے اس اٹل فیصلے سے عورتوں کو ایسے دو ٹوک الفاظ میں آگاہ کریں کہ وہ اس مخفی امید سے مایوس ہو کر اپنے حربے اور ہتھکنڈے استعمال کرنا چھوڑ دیں۔

۲۔ عورتوں پر واضح کیا جائے کہ ایک گھر کے اندر چھوٹے بچے خواہ آپس میں سگے بہن بھائی کیوں نہ ہوں روزانہ لڑتے اور الجھتے ہیں یہ ان کی فطرت ہے لہذا بچوں کی لڑائی کو ہرگز ہوانہ دی جائے۔

۳۔ چونکہ عورت کی فطرت میں ٹیڑھاپن ہے لہذا ضروری ہے کہ کوئی بھی بھائی دوسرے بھائی کے بیوی پر ہرگز ہاتھ نہ اٹھائے جب عورت کی گستاخی ناقابل برداشت ہو جائے تو چاہئے کہ عورت کے خاوند کے سامنے حقیقت حال رکھ دے یا گھرانے کے امیر اور سربراہ سے شکایت کرے۔

۴۔ ہر ایک بھائی اور بھتیجا اپنی بیوی اور ماں کو سمجھائے کہ جب ہم بیرونی کاروبار، محنت و مشقت سے تھکے ماندے شام کو گھر آجاتے ہیں تو دن



بھر کے گھریلو شکایات کی کارگزاری اور دوسروں کی زیادتیوں کی داستانیں ہرگز نہ سنائے البتہ اپنی ضروریات بتائے جو بہ سرو چشم پورے کئے جائیں گے۔ اگر کوئی عورت اس کے باوجود شکایات اور شکووں کا ورد کرنے لگے تو اس پر کان نہ دھرے بلکہ بچوں سے کھیلنے، اخبار پڑھنے، ریڈیو سننے وغیرہ جیسے کام میں مصروف ہو جائے۔

۵۔ اگر کسی اجتماعی گھرانے کے افراد کی تعداد زیادہ ہو جائے اور کھانے پینے کے مشترکہ انتظام میں دشواری یا بد نظمی ہو تو اس انتظام کو بھائیوں کے مشورے سے کئی گروپوں میں تقسیم کیا جائے ہر ایک گروپ میں مساوی افراد کے مشترکہ کھانے پینے کا انتظام ہو اور ہر ایک گروپ کو مساوی راشن دیا جاتا رہے اور اس کے خرچ کے تاریخوں کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

۶۔ دودھ، دہی کے لئے ہر ایک گروپ کے لئے الگ جانور رکھنے اور پالنے کا انتظام کیا جائے تاہم جملہ مال مویشی مشترک ہوں یہاں تک کہ کوئی مرد اور عورت ان الفاظ تک سے اجتناب کرے کہ میری گائے میری بھینس بلکہ یوں کہے کہ ہماری گائے ہماری بھینس وغیرہ۔

۷۔ کسی بھی عورت کے لئے انفرادی ملکیت، شخصی مال مویشی حتیٰ کہ مرغی پالنے کی اجازت نہ دی جائے۔

۸۔ جہاں تک کسی بڑے بھائی کا دوسرے بھائیوں سے زیادہ حصہ

(پگڑی) ملنے کی بات ہے تو یہ نہ شرعا درست ہے اور نہ عقلا یہ ٹھیک ہے کہ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائیوں کی پرورش کی ہوگی ان کے لئے مصیبتیں اٹھائی ہوں گی ان کے لئے کمایا ہوگا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن یہ سب کچھ اس کی مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری تھی اس لئے اس کا معاوضہ طلب کرنا شرعا اور اخلاقا درست نہیں۔

نیز اگر اس نے مشقتیں زیادہ برداشت کی ہیں تو اس نے مشترکہ مفادات سے فائدے بھی بہ نسبت چھوٹے بھائیوں کے زیادہ لئے ہیں۔

اسلئے ان سب کچھ کے باوجود کسی بھی باضمیر بھائی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ برادری جیسے عزیز ترین رشتے کو مال کی لالچ میں کھو بیٹھے۔

والسلام

(مولانا) نور محمد مہتمم دارالعلوم وزیرستان

وانا و خطیب مرکزی جامع مسجد وانا

5,2,95



پی ڈی ایف PDF

تیار کردہ

شمس الحق المسعودی



Shamsulhaqmasood



ShamsMsD



شمس الحق المسعودی



**Get more e-books from [www.ketabton.com](http://www.ketabton.com)  
Ketabton.com: The Digital Library**